

جدید
محقق
ایڈیشن

عصر حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ

تفسیر ابن کثیر

از تحقیقات و تعلیقات

الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ
الشیخ المحدث شعیب ارنووط حفظہ اللہ
الشیخ عبد الرزاق مھدی حفظہ اللہ
الشیخ مصطفی السید محمد حفظہ اللہ
الشیخ محمد فضل عجماوی حفظہ اللہ
الشیخ حسن عباس قطب حفظہ اللہ
الشیخ محمد السید رشاد حفظہ اللہ
الشیخ علی احمد الباقی حفظہ اللہ
الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ
الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

6	5	4	3	2	1



تالیف
حافظ عماد الدین
ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

ترجمہ
مولانا محمد
جوناگڑھی رحمہ اللہ

اہتمام
تخریج وتحقیق
حافظ عمران
ایوب لاہوری حفظہ اللہ

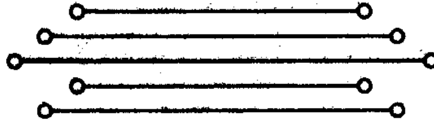


ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز
0300-4206199
Fiqh-ul-Hadith Publications Lahore Pakistan
E-mail: editor@fiqhulhadith.com, Website: www.fiqhulhadith.com



ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ
042-7321865, 0334-4229127
Nomani Kutab Khana Lahore Pakistan
E-mail: nomania2000@hotmail.com, Web: www.nomanibooks.com

تفسیر ابن کثیر





چند اہم مضامین کی فہرست

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ
مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ
اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ
تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم سب پھر سے ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ کیا ہم بیزار ہوں تو بھی؟ ○ پھر تو ہم نے یقیناً اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت باندھی اگر اب ہم تمہارے مذہب میں پھر سے آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات بخشی، ہمارا تو اس میں لوٹنا ممکن ہی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ خود اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے یہی مرضی ہو جائے، ہمارے رب کے علم نے تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے، اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے، اے ہمارے پروردگار تو ہم میں اور ہماری قوم میں حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور سب فیصلہ کرنے والوں سے تو بہتر ہے ○

قوم شعیب ہلاکت کی جانب: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تمام نصیحتیں سن کر جو جواب دیا اس کا ذکر کیا جا رہا ہے ہوا یہ کہ دلیلوں سے ہار کر یہ لوگ اپنی قوت جتانے پر اتر آئے اور کہنے لگے اب تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہم دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتے ہیں یا تو جلاوطنی قبول کر و یا ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ ہم تو دل سے تمہارے ان مشرکانہ کاموں سے بیزار ہیں۔ انہیں سخت ناپسندگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر تمہارے اس دباؤ اور اس خواہش کے کیا معنی؟

اگر اللہ نہ کرے ہم پھر سے تمہارے کفر میں شامل ہو جائیں تو ہم سے بڑھ کر گنہگار کون ہوگا؟ اس کے تو صاف معنی یہ ہیں کہ ہم نے دو گھڑی پہلے محض ایک ڈھونگ رچایا تھا۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ خیال فرمایئے کہ اس جواب میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے ایمان داروں کو مرتد ہونے سے کس طرح دھمکایا ہے؟ لیکن چونکہ انسان کمزور ہے۔ نہ معلوم کس کا دل کیسا ہے اور آگے چل کر کیا ظاہر ہونے والا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ اللہ کے ہاتھ سب کچھ ہے اگر وہی کسی کے خیالات الٹ دے تو میرا زور نہیں۔ ہر چیز کے آغاز انجام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

ہمارا توکل اور بھروسہ اپنے تمام کاموں میں صرف اسی کی ذات پاک پر ہے۔ اے اللہ تو ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ فرما ہماری مدد فرما تو سب حاکموں کا حاکم ہے، سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، عادل ہے، ظالم نہیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا
كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ مع

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی تابعداری کی تو سمجھ لو کہ تم برباد ہونے والے بن گئے ○ آخر ان کافروں کو زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ سب اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے ہوئے مردہ رہ گئے ○ گویا شعیب کو جھٹلانے والے کبھی وہاں بستے ہی نہ تھے' درحقیقت شعیب کے جھٹلانے والے ہی برباد ہونے والے ثابت ہوئے ○

عذاب اور بربادی: اس قوم کی سرکشی بدباطنی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے انہیں یقین دلا رہے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی اطاعت تمہیں غارت کردے گی اور تم بڑے نقصان میں اتر جاؤ گے۔

ان مومنوں کے دلوں کو ڈرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسمانی عذاب بصورت زلزلہ زمین سے آیا اور انہیں سچ مچ لرزا دیا اور غارت و برباد ہو کر خود ہی نقصان میں پھنس گئے۔ یہاں اس طرح بیان ہوا۔ سورہ ہود میں بیان ہے کہ آسمانی کڑاکے کی آواز سے یہ ہلاک کئے گئے۔ [1] یہ اس لیے وہاں بیان ہے کہ انہوں نے اپنے وطن سے نکل جانے کی ڈانٹ ایمان داروں کو دی تھی تو آسمانی ڈانٹ کی آواز نے ان کی آواز پست کردی اور ہمیشہ کے لئے یہ خاموش کردیئے گئے۔ سورہ شعراء میں بیان ہے کہ بادل ان پر عذاب بن کر برسا۔ کیونکہ وہیں ذکر ہے کہ خود انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو الخ۔ [2] واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں عذاب ان پر ایک ساتھ آئے۔ ادھر ابر اٹھا جس سے شعلہ باری ہونے لگی' آگ برسنے لگی۔ ادھر تند اور سخت کڑاکے کی آواز آئی' ادھر زمین پر زلزلہ آیا۔ نیچے اوپر کے عذابوں سے دیکھتے ہی دیکھتے تہ و بالا کردیئے گئے' اپنی اپنی جگہ ڈھیر ہو گئے۔

یا وہ وقت تھا کہ یہاں سے مومنوں کو نکالنا چاہتے تھے یا یہ وقت ہے کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی وقت یہاں یہ لوگ آباد بھی تھے' مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ تم نقصان میں اترو گے یا یہ ہے کہ خود برباد ہو گئے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى
عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع

اس نے ان سے الگ ہوتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم والو میں تو تمہیں اپنے رب کے پیغامات برابر پہنچا چکا اور تمہاری پوری طرح خیر خواہی کی' اب نہ ماننے والوں کا میں کہاں تک صدمہ کرتا رہوں؟ ○

قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آچکنے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام وہاں سے چلے اور بطور ڈانٹ ڈپٹ فرمایا کہ میں سبکدوش ہو چکا ہوں۔ اللہ کا پیغام سنا چکا' سمجھا بجھا چکا' غم خواری ہمدردی کر چکا۔ لیکن تم کافر کے کافر ہی رہے اب مجھے کیا پڑی کہ تمہارے افسوس میں اپنی جان ہلکان کروں؟

---

[1] [سورة هود : آیت ٩٤]
[2] [سورة الشعراء: آیت ١٨٧]

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا
الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

ہم نے جس بستی میں جس نبی کو بھیجا وہاں والوں کو تنگی اور سختی رنج و تکلیف میں مبتلا کر کے موقعہ دیا کہ وہ عاجزی اور زاری کر لیں ○ پھر ہم نے اس تکلیف کے بدلے راحت و آسانی اس قدر دی کہ وہ پھول گئے اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو بھی تو سختی نرمی پہنچتی تھی آخر ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی ○

سابقہ امتوں کا ذکر: اگلی امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آئے اور ان کے انکار پر وہ امتیں مختلف بلاؤں میں مبتلا کی گئیں مثلاً بیماریاں، فقیری، مفلسی، تنگی، سختی وغیرہ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اکڑنا چھوڑ دیں اور اس کے سامنے جھک جائیں۔ مصیبتوں کے ٹالنے کی دعائیں کریں اور اس کے رسول کی مان لیں۔ لیکن انہوں نے اس موقعہ کو ہاتھ سے نکال دیا باوجود بری حالت ہونے کے دل کا کفر نہ ٹوٹا' اپنی ضد سے نہ ہٹے تو ہم نے دوسری طرح پھر ایک موقعہ دیا۔ سختی کو نرمی سے' برائی کو بھلائی سے' بیماری کو تندرستی سے' فقیری کو امیری سے بدل دیا تاکہ شکر کریں اور ہماری حکمرانی کے قائل ہو جائیں لیکن انہوں نے اس موقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا۔ جیسے جیسے ڈھیل دیے گئے ویسے ویسے کفر میں پھنسے' بدمستی میں اور بڑھے اور مغرور ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ زمانہ کے اتفاقات ہیں۔ پہلے سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کبھی دن بڑے کبھی راتیں۔ زمانہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا۔ الغرض اتفاق پر محمول کر کے معمولی سی بات سمجھ کر دونوں موقعے ٹال دیئے۔ ایمان والے دونوں حالتوں میں عبرت پکڑتے ہیں۔ مصیبت پر صبر' راحت پر شکر ان کا شیوہ ہوتا ہے بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مومن پر تعجب ہے اس کی دونوں حالتیں انجام کے لحاظ سے اس کے لئے بہتر ہوتی ہیں۔ یہ دکھ پر صبر کرتا ہے' انجام بہتر ہوتا ہے' سکھ پر شکر کرتا ہے' نیکیاں پاتا ہے'[1] پس مومن رنج و راحت دونوں میں اپنی آزمائش کو سمجھ لیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے بلاؤں کی وجہ سے مومن کے گناہ بالکل دور ہو جاتے ہیں اور پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ہاں منافق کی مثال گدھے جیسی ہے جسے نہیں معلوم کہ کیوں باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا[2] ((اَوْ کَمَا قَالَ)) پس ان لوگوں کو اس کے بعد

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الزھد: باب المؤمن امرہ کلہ خیر (۲۹۹۹) مسند احمد (۳۳۲/۴)]

[2] [حسن: ان لفظوں میں تو حدیث کہیں نہیں ملی البتہ یہ الفاظ ﴿ **ما یزال البلاء بالمؤمن و المؤمنة فی نفسه وولده وماله حتی یلقی الله وما علیه خطیئة** ﴾ صحیح حدیث میں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے: مسند احمد (۲۸۷/۲) الادب المفرد للبخاری (۴۹۴) ترمذی: کتاب الزھد: باب ما جاء فی الصبر علی البلاء (۲۴۰۱) مستدرک حاکم (۳۴۶/۱)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام حاکمؒ اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہتے ہیں اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (۲۲۸۰/۵)] علاوہ ازیں اس کا آخری حصہ سلمان فارسی کا قول صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ دیکھئے: الادب المفرد للبخاری (۴۹۳) ابو نعیم فی الحلیة (۲۰۶/۱) المزی فی تہذیب الکمال (۹۸/۱۱) بیہقی فی شعب الایمان (۹۹۱۴/۷)]

اللہ کے عذاب نے اچانک آ پکڑا یہ محض بے خبر تھے اپنی خرمستیوں میں لگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اچانک موت مومن کے لئے رحمت ہے اور کافروں کے لئے حسرت ہے۔ (1)

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ ع

اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے' اور پرہیز گاری کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کشادہ کر دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کے اعمال کے بدلے انہیں گرفتار کر لیا ○ کیا شہروں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہو چکے ہیں؟ کہ ان کے پاس راتوں رات ہمارا عذاب آ جائے؟ اور وہ سوئے پڑے ہوں؟ ○ یا یہ شہری پر دن چڑھے ہمارے عذاب کے آ جانے سے بے نڈر ہیں؟ کہ اس وقت یہ اپنے کھیل کود میں مشغول ہوں؟ ○ کیا یہ اللہ کے داؤں سے مطمئن ہو چکے ہیں؟ یاد رکھو اللہ کے داؤ گھات سے بے خوف وہی ہوتے ہیں جو سخت نقصان اٹھانے والے ہوں ○

تقویٰ ہی حصولِ برکات کا ذریعہ: لوگوں سے عام طور پر جو غلطی ہو رہی ہے اس کا ذکر ہے کہ عموماً ایمان سے اور نیک کاموں سے بھاگتے رہتے ہیں۔ صرف حضرت یونس علیہ السلام کی پوری بستی ایمان لائی تھی اور وہ بھی اس وقت جب کہ عذابوں کو دیکھ لیا اور یہ بھی صرف ان کے ساتھ ہی ہوا کہ آئے ہوئے عذاب واپس کر دیئے گئے اور دنیا وآخرت کی رسوائی سے بچ گئے یہ لوگ ایک لاکھ بلکہ زائد تھے۔ اپنی پوری عمر تک پہنچے اور دنیوی فائدے بھی حاصل کرتے رہے۔ (2) تو فرماتا ہے کہ اگر نبیوں کے آنے پر ان کے امتی صدق دل سے ان کی تابعداری کرتے' برائیوں سے رک جاتے اور نیکیاں کرنے لگتے تو ہم ان پر کشادہ طور پر بارشیں برساتے اور زمین سے پیداوار اگاتے۔ لیکن انہوں نے رسولوں کی نہ مانی بلکہ انہیں جھوٹا سمجھا اور روبرو جھوٹا کہا۔ برائیوں سے حرام کاریوں سے ایک انچ نہ ہٹے۔ اس وجہ سے تباہ کر دیئے گئے۔ کیا کافروں کو اس بات کا خوف نہیں کہ راتوں رات ان کی بے خبری میں ان کے سوتے ہوئے عذاب الٰہی آ جائے اور یہ سوئے کے سوئے رہ جائیں؟ کیا انہیں ڈر نہیں لگتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دن دہاڑے ان کے کھیل کود اور غفلت کی حالت میں اللہ جل جلالہ کا عذاب آ جائے؟ اللہ کے عذابوں سے' اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے' اس کی بے پایاں قدرت کے اندازے سے غافل وہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ بربادی کی

---

(1) [**ضعیف**: مسند احمد (۶/۱۳۶)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند کمزور ہے کیونکہ اس میں عبید اللہ بن ولید راوی متروک ہے اور عبد اللہ بن عبید اللہ بن عمیر کا عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں۔ [الموسوعة الحديثية (۲۵۰۴۲)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

(2) [سورة الصافات: آیت ۱۴۷، ۱۴۸]

طرف بڑھے چلے جاتے ہوں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مومن نیکیاں کرتا ہے اور پھر ڈرتا رہتا ہے اور فاسق شخص برائیاں کرتا ہے اور بے خوف رہتا ہے۔ نتیجے میں مومن امن پاتا ہے اور فاجر پیس دیا جاتا ہے۔

اَوَلَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ
بِذُنُوۡبِهِمۡ‌ ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝

اس زمین پر رہنے سہنے والوں کے بعد جو اس کے وارث بنتے ہیں کیا انہیں بھی یہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی ؟ کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی ان کی بدکرداریوں پر عذاب کریں؟ اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ یہ سنیں ہی نہیں ○

گناہگاروں کو تنبیہ: ارشاد ہے کہ ایک گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا' اور ہم نے انہیں تاخت وتاراج کیا۔ دوسرا گروہ ان کے قائم مقام ہوا تو کیا اس پر بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اگر وہ بداعمالیاں کریں گے تو اپنے سے اگلوں کی طرح کھو دیئے جائیں گے؟ جیسے فرمان ہے ﴿اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ﴾ [1] الخ' یعنی کیا انہیں اب تک سمجھ نہیں آئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی آباد بستیاں اجاڑ کر رکھ دیں جن کے مکانوں میں اب یہ رہتے سہتے ہیں۔ اگر یہ عقل مند ہوتے تو ان کے لئے بہت سی عبرتیں تھیں اور اس بیان کے بعد کی آیت میں ہے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ کیا یہ سن نہیں رہے؟ ایک آیت میں فرمایا تم اس سے پہلے پورے یقین سے کہتے تھے کہ تمہیں زوال آئے گا ہی نہیں حالانکہ تم جن کے گھروں میں تھے وہ خود بھی اپنے مظالم کے سبب تباہ کر دیئے گئے تھے۔ خالی گھر رہ گئے۔ ایک اور آیت میں ہے ﴿وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ﴾ [2] الخ' ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستیاں تباہ کر دیں نہ ان میں سے اب کوئی نظر آئے نہ کسی کی آواز سنائی دے۔ اور آیت میں ہے کہ وہ لوگ تو ان سے زیادہ مست تھے' مال دار تھے عیش وعشرت میں تھے' راحت وآرام میں تھے' اوپر سے ابر برستا تھا نیچے سے چشمے بہتے تھے لیکن گناہوں میں ڈوبے رہے کہ آخر تہس نہس ہو گئے اور دوسرے لوگ ان کے قائم مقام آئے۔ عادیوں کی ہلاکت کا بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ ایسے عذاب اچانک آ گئے کہ ان کے وجود کی دھجیاں اڑ گئیں' کھنڈر کھڑے رہ گئے اور کسی چیز کا نام ونشان نہ بچا' مجرموں کا یہی حال ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیوی وجاہت بھی ان کے پاس تھی آنکھ' کان' دل سب تھا لیکن اللہ جل شانہ کی باتوں کا تمسخر کرنے پر اور ان کے انکار پر جب عذاب آیا تو حیران وششدر رہ گئے۔ نہ عقل آئی نہ اسباب بچے۔ اپنے آس پاس کی ویران بستیاں دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ اگلوں نے جھٹلایا تو دیکھ لو کہ کس طرح برباد ہوئے ؟ [3] تم تو ابھی تک ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔ تم سے پہلے کے منکروں پر میرے عذاب آئے انہیں غور سے سنو۔ [4] ظالموں کی بستیاں میں نے الٹ دیں اور ان کے محلات کھنڈر بنا دیئے۔ زمین میں چل پھر کر' آنکھیں کھول کر' کان لگا کر ذرا عبرت حاصل کرو۔ جس کی آنکھیں نہ ہوں وہی اندھا نہیں بلکہ سچ مچ اندھا وہ ہے

---

[1] [سورۃ طٰہٰ: آیت ۱۲۸]
[2] [سورۃ مریم: آیت ۹۸]
[3] [سورۃ الاحقاف: ۲۵، ۲۷]
[4] [سورۃ سبا: آیت ۴۵]

جس کی دلی آنکھیں بے کار ہوں۔ (۱) اگلے نبیوں کے ساتھ بھی مذاق اڑائے گئے لیکن نتیجہ یہی ہوا کہ ایسے مذاق کرنے والوں کا نشان مٹ گیا۔ ایسے گھیرے گئے کہ ایک بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں سچی ہیں' اس کے وعدے اٹل ہیں وہ ضرور اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو نیچا دکھاتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

یہ ہیں وہ بستیاں جن کے کچھ حالات ہم تجھے سنا رہے ہیں' ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانات لے کر پہنچ چکے' لیکن جسے وہ اس سے پہلے جھٹلا چکے تھے اسے مان نہ سکے' منکروں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے ○ ہم نے ان کے اکثر لوگوں میں عہد کا پاس پایا ہی نہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے بے حکم اور بدکار ہی پایا ○

نافرمانوں کے مقدر میں سزا لازم: پہلے قوم نوح' ہود' صالح' لوط اور قوم شعیب کا بیان گذر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان سب کے پاس ہمارے رسول حق لے کر پہنچے' معجزے دکھائے' سمجھایا بجھایا' دلیلیں دیں لیکن وہ نہ مانے اور اپنی بدعادتوں سے باز نہ آئے۔ جس کی پاداش میں ہلاک ہوگئے۔ صرف ماننے والے بچ گئے۔ اللہ کا طریقہ اسی طرح جاری ہے کہ جب تک رسول نہ آ جائیں' خبردار نہ کر دیئے جائیں عذاب نہیں کئے جاتے۔ (۲) ہم ظالم نہیں لیکن جب لوگ خود ظلم پر کمر کس لیں تو پھر ہمارے عذاب انہیں آ پکڑتے ہیں۔ ان سب نے جن چیزوں کا انکار کر دیا تھا ان پر باوجود دلیلیں دیکھ لینے کے بھی ایمان نہ لائے۔ ﴿بِمَا كَذَّبُوْا﴾ میں ((ب)) سببیہ ہے جیسے ساتویں پارے کے آخر میں فرمایا ہے کہ تم کیا جانو؟ یہ لوگ تو معجزے آنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے جیسے کہ یہ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔ (۳) یہاں بھی فرمان ہے کہ کفار کے دلوں پر اسی طرح ہم مہر لگا دیا کرتے ہیں۔

ان میں سے اکثر بدعہد ہیں بلکہ عموماً فاسق ہیں۔ یہ عہد وہ ہے جو روز ازل میں لیا گیا تھا اور اسی پر پیدا کئے گئے اسی فطرت اور جبلت میں رکھا گیا اسی کی تاکید انبیاء علیہم السلام کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا یا مطلق پرواہ نہ کی اور اس عہد کے خلاف غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی۔ اللہ کو مالک خالق اور لائق عبادت مان کر آئے تھے لیکن یہاں اس کے سراسر خلاف کرنے لگے اور بے دلیل' خلاف عقل و نقل' خلاف فطرت اور خلاف شرع' اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت میں لگ گئے۔ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد اور یکطرفہ پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر

---

(۱) [سورة الحج: آیت ۴۵-۴۶]
(۲) [سورة الاسراء: آیت ۱۵]
(۳) [سورة الانعام: آیت ۱۰۹، ۱۱۰]

حرام کردیں۔ (۱) بخاری و مسلم میں ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے اس کے ماں باپ یہودی نصرانی مجوسی بنا لیتے ہیں الخ۔ (۲) خود قرآن کریم میں ہے ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اے دنیا کے لوگو تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ (۳) اور آیت میں ہے تو اپنے سے پہلے کے رسولوں سے دریافت کر لو کہ کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود ان کے لئے مقرر کئے تھے؟ (۴) اور فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (۵) ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ اس جملے کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چونکہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں یہ بات مقرر ہو گئی تھی کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ یہی ہو کر رہا کہ باوجود دلائل سامنے آ جانے کے ایمان نہ لائے۔ میثاق والے دن گو یہ ایمان قبول کر بیٹھے لیکن ان کے دلوں کی حالت اللہ جل شانہ کو معلوم تھی کہ ان کا ایمان جبراً اور ناخوشی سے ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ یہ اگر دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی کام نئے سرے سے کرنے لگیں گے جن سے انہیں روکا گیا ہے۔ (۶)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

ان کے بعد پھر ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتیں دے کر فرعون اور فرعونیوں کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کا انکار کر دیا' اب تو آپ دیکھ کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا؟ ○

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ: جن رسولوں کا ذکر گذر چکا ہے یعنی نوح' ہود' صالح' لوط' شعیب صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی دلیلیں عطا فرما کر بادشاہ مصر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ لیکن انہوں نے بھی جھٹلایا اور ظلم و زیادتی کی اور صاف انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں میں یقین گھر کر چکا تھا۔ اب تو آپ دیکھ لیں کہ اللہ کی راہ سے رکنے والوں اور اس کے رسولوں کا انکار کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ وہ مع اپنی قوم ڈبو دیئے گئے' اور پھر لطف یہ ہے کہ مومنوں کے سامنے بے بسی کی پکڑ میں پکڑ لیا گیا تا کہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں اور عبرت ہو۔

---

(۱) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الجنة: باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا (۲۸۶۵) مسند طیالسی (۱۰۷۹) عبد الرزاق (۲۰۰۸۸) مسند احمد (۲۶۶/۴) صحیح ابن حبان (۶۵۳)]

(۲) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب لا تبدیل لخلق الله (۴۷۷۵) صحیح مسلم: کتاب القدر: باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة (۲۶۵۸) ترمذی: کتاب القدر: باب ماجاء کل مولود یولد علی الفطرة (۲۱۳۸) مسند احمد (۲/۲۵۳-۳۹۳)]

(۳) [سورة الانبياء: آيت ۲۵]
(۴) [سورة الزخرف: آيت ۴۵]
(۵) [سورة النحل: آيت ۳۶]
(۶) [سورة انعام: آيت ۲۸]

وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ
عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾
قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں تمام جہانوں کے پالنے والے کا پیغمبر ہوں ○ میری شان اسی قابل ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچ ہی کہوں میں تو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے معجزہ بھی لایا ہوں تو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کردے ○ اس نے کہا کہ اگر تو واقعی کوئی معجزہ لایا ہے تو اسے پیش کر اگر تو سچوں میں سے ہے ○

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور فرعون کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہ اللہ کے کلیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ جو تمام عالم کا خالق و مالک ہے۔

مجھے یہی لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں وہی باتیں کہوں جو سراسر حق ہوں ((ب)) اور ((علی)) یہ متعاقب ہوا کرتے ہیں جیسے ((رَمَیْتُ بِالْقَوْسِ)) اور ((رَمَیْتُ عَلَی الْقَوْسِ)) وغیرہ۔ اور بعض مفسرین کہتے ہیں حَقِیْقٌ کے معنی حَرِیْصٌ کے ہیں۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مجھ پر واجب اور حق ہے کہ اللہ ذوالمنن کا نام لے کر وہی خبر دوں جو حق و صداقت والی ہو کیونکہ میں اللہ عزوجل کی عظمت سے واقف ہوں۔ میں اپنی صداقت پر الٰہی دلیل بھی ساتھ ہی لایا ہوں۔ تو قوم بنی اسرائیل کو اپنے مظالم سے آزاد کردے۔ انہیں اپنی زبردستی کی غلامی سے نکال دے انہیں ان کے رب کی عبادت کرنے دے۔ یہ ایک زبردست بزرگ پیغمبر کی نسل سے ہیں یعنی حضرت یعقوب بن اسحاق بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کی اولاد ہیں۔

فرعون نے کہا میں تجھے سچا نہیں سمجھتا نہ تیری طلب پوری کروں گا اور اگر تو اپنے دعوے میں واقعی سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کر۔

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اس پر آپ نے اپنی لاٹھی ڈال دی جو اسی وقت کھلم کھلا اژدھا بن گئی ○ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ ہر دیکھنے والے کی نگاہ میں اسی وقت چمکیلا بن گیا ○

موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بن گیا: آپ نے فرعون کی اس طلب پر اپنے ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دی جو بہت بڑا سانپ بن گئی اور منہ پھاڑے فرعون کی طرف لپکی۔ وہ مارے خوف کے تخت پر سے کود گیا اور فریاد کرنے لگا کہ موسیٰ اللہ کے لیے اسے روک۔ اس نے اس قدر منہ کھولا تھا کہ نیچے کا جبڑا تو زمین پر تھا اور اوپر کا جبڑا محل کی بلندی پر۔ خوف کے مارے فرعون کی ہوا نکل گئی اور چیخنے لگا کہ موسیٰ اسے روک لے میں ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ کردوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی وقت اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور وہ اس وقت لکڑی جیسی لکڑی بن گیا۔ حضرت وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی فرعون کہنے لگا میں تجھے پہچانتا ہوں۔

آپ نے فرمایا یقیناً۔ اس نے کہا تو نے بچپن ہمارے گھر کے ٹکڑوں پر ہی تو گذارا ہے۔ اس کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام دے ہی رہے تھے کہ اس نے کہا اسے گرفتار کرلو۔ آپ نے جھٹ سے اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی جس نے سانپ بن کر ان پر حملہ کر دیا اس بدحواسی میں ایک دوسرے کو کچلتے اور قتل کرتے ہوئے وہ سب کے سب بھاگے چنانچہ پچیس ہزار آدمی اسی ہنگامے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے اور فرعون سیدھا اپنے گھر میں گھس گیا لیکن اس واقعہ کے بیان کی سند میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح دوسرا معجزہ آپ نے یہ ظاہر کیا کہ اپنا ہاتھ اپنی چادر میں ڈال کر نکالا تو بغیر اس کے کہ کوئی روگ یا برص یا داغ ہو وہ سفید چمکتا ہوا بن کر نکل آیا جسے ہر ایک نے دیکھا پھر ہاتھ اندر کیا تو یہ ویسا ہی ہو گیا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یہ تو کوئی بہت بڑا دانا جادوگر ہے ○ یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے' اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ○

فرعون کا درباریوں سے سوال: جب ڈر خوف جاتا رہا فرعون پھر سے اپنے تخت پر آ بیٹھا اور درباریوں کے اوسان درست ہو گئے تو فرعون نے کہا بھئی مجھے تو یہ جادوگر لگتا ہے اور ہے بھی بڑا استاد۔ ان لوگوں نے اس کی تائید کی اور کہا حضور درست فرما رہے ہیں۔ اب مشورے کرنے لگے کہ اگر یہ معاملہ یونہی رہا تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں گے اور جب یہ قوت پکڑے گا تو ہم سے بادشاہت چھین لے گا ہمیں جلاوطن کر دے گا بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو؟ اللہ کی شان ہے جس سے خوف کھایا وہی سامنے آیا۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

کہنے لگے اسے اور اس کے بھائی کو تو چھوڑ اور تمام شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے ○ کہ وہ تمام دانا جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں ○

درباریوں کا جواب: درباریوں نے مشورہ دیا کہ ان دونوں بھائیوں کا معاملہ اس وقت رفع دفع کرو' اسے ملتوی رکھو اور اپنے ملک کے ہر حصے میں ہرکارے بھیج دو جو جادوگروں کو جمع کر کے آپ کے دربار میں لائیں۔

تو جب تمام استادانِ فن جادوگر آ جائیں ان سے مقابلہ کرایا جائے تو یہ ہار جائے گا اور منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔ یہ اگر جادو جانتا ہے تو ہماری رعایا میں جادوگروں کی کیا کمی ہے؟ بڑے بڑے ماہر جادوگر ہم میں موجود ہیں جو اپنے فن میں بے نظیر ہیں اور بہت چست و چالاک ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ ہم سمجھ گئے کہ تو جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دینے کے ارادے سے آیا ہے تو اگر تجھ میں کوئی سکت ہے تو آ ہاتھ ملا ہم تجھ سے مقابلہ کا دن اور جگہ مقرر کرتے ہیں اور جب جگہ مقرر ہو جائے پھر جو بھاگے وہی ہارا۔ آپ نے فرمایا

اچھا یہ ہوس بھی نکال لو۔ جاؤ تمہارا عید کا دن مجھے منظور ہے اور دن چڑھے اجالے کا وقت اور شرط یہ کہ یہ مقابلہ مجمع عام میں ہو۔ چنانچہ فرعون اس تیاری میں مصروف ہو گیا۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾

جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ○ فرعون نے کہا ہاں ہاں بلکہ تم تو میرے خاص درباری بن جاؤ گے ○

جادوگروں نے پہلے ہی فرعون سے قول وقرار لے لیا تا کہ محنت خالی نہ جائے اور اگر ہم جیت جائیں تو خالی ہاتھ نہ رہ جائیں۔ فرعون نے وعدہ کیا کہ منہ مانگا انعام اور ہمیشہ کے لئے خاص درباریوں میں داخلہ دوں گا۔ جادوگر یہ قول وقرار لے کر میدان میں اتر آئے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾

کہنے لگے اے موسیٰ یا تو تم ہی ڈالو یا ہم خود ہی ڈالنے والے بن جائیں ○ آپ نے کہا نہیں تم ہی ڈالو تو وہ جب ڈال چکے لوگوں کی آنکھوں پر انہوں نے جادو کر دیا اور سب کو ہیبت زدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو لائے ○

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگر: جادوگروں کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا وہ سب فی الحقیقت اپنے اس فن کے لاجواب استاد تھے اس لئے انہوں نے آتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چیلنج دیا کہ لو ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہیں اختیار ہے کہ میدان میں اپنے کرتب پہلے دکھاؤ اور اگر کہو تو پہل ہم کر دیں۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ تمہارے حوصلے نکل جائیں اور لوگ تمہارا کمال فن دیکھ لیں اور پھر اللہ کی قدرت کو بھی دیکھ لیں اور حق و باطل میں دیکھ بھال کر فیصلہ کر سکیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہی تھے انہوں نے جھٹ سے اپنی رسیاں اور لکڑیاں نکال نکال کر میدان میں ڈالنی شروع کر دیں ادھر وہ میدان میں پڑتے ہی چلتی پھرتی اور بنی بنائی سانپ معلوم ہونے لگیں۔ یہ صرف نظر بندی تھی۔ فی الواقع خارج میں ان کا وجود بدل نہیں گیا تھا بلکہ اس طرح لوگوں کو دکھائی دیتی تھیں کہ گویا زندہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ خوف نہ کر تو ہی غالب رہے گا۔ اپنے دائیں ہاتھ کی لکڑی ڈال تو سہی ان کا کیا دھرا یہ تو سب کو ہڑپ کر جائے گی۔ یہ تو سب جادوگری کا کرشمہ ہے بھلا جادو والے بھی کبھی کامیاب ہوئے ہیں؟ بڑی موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لکڑیاں انہوں نے ڈالی تھیں جو سب چلتی پھرتی دوڑتی بھاگتی معلوم ہو رہی تھیں۔ [1] یہ جادوگر پندرہ ہزار یا تیس ہزار سے اوپر اوپر تھے یا ستر ہزار کی تعداد میں تھے۔ ہر ایک اپنے ساتھ رسیاں اور لکڑیاں لایا تھا صف بستہ کھڑے تھے اور لوگ چاروں طرف موجود تھے ہر ایک ہمہ تن

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٢١)]

شوق بنا ہوا تھا فرعون اپنے لاؤلشکر اور درباریوں سمیت بڑے رعب سے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا ادھر وقت ہوا ادھر سب کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایک درویش صفت اللہ کا نبی علیہ السلام اپنے ساتھ اپنے بھائی کو لئے ہوئے لکڑی ٹکاتے ہوئے آ رہا ہے۔ یہ تھے جن کے مقابلے کی یہ دھوم دھام تھی۔ آپ کے آتے ہی جادوگروں نے صرف یہ دریافت کر کے کہ ابتداء کس کی طرف سے ہونی چاہئے خود ابتدا کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھر فرعون کی پھر تماشائیوں کی آنکھوں پر جادو کر کے سب کو ہیبت زدہ کر دیا۔ اب جو انہوں نے اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو ہزارہا کی تعداد میں پہاڑوں کے برابر سانپ نظر آنے لگے جو اوپر تلے ایک دوسرے سے لپٹ رہے ہیں ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں میدان بھر گیا ہے انہوں نے اپنے فن کا پورا مظاہرہ کر دکھایا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی ڈال دے' وہ اسی وقت ان کے رچائے ہوئے تمام ڈھونگ کو نگلنے لگی ○ تو حق ثابت ہو گیا اور وہ جو کچھ کر رہے تھے محض باطل ہو گیا ○ قوم فرعون وہاں ہار گئی اور بڑی ذلیل و خوار ہوئی ○ اور سارے ہی جادوگر سجدے میں گر پڑے ○ اور صاف کہہ دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے ○ یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ○

جادوگر سجدے میں: اسی میدان میں جادوگروں کے اس حملے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکڑی کو صرف زمین پر گرا دو اسی وقت ان کے سارے ہی لغویات ہضم کر جائے گی۔ چنانچہ یہی ہوا آپ کی لکڑی نے اژدھا بن کر سارے میدان کو صاف کر دیا جو کچھ وہاں تھا سب کو ہڑپ کر گیا۔ ایک بھی چیز اب میدان میں نہ نظر آتی تھی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاں اس پر ہاتھ رکھا ویسی کی ویسی لکڑی بن گئی۔ یہ دیکھتے ہی جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں۔ یہ تو سچ مچ اللہ کی طرف سے معجزہ ہے۔

حق ثابت ہو گیا باطل دب گیا۔ تمیز ہو گئی معاملہ صاف ہو گیا۔ فرعونی بری طرح ہارے اور بری طرح پسپا ہوئے۔ ادھر جادوگر اپنا ایمان چھپا نہ سکے جان کے خوف کے باوجود اسی میدان میں سجدہ ریز ہو گئے اور کہنے لگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جادو نہیں۔ یہ تو اللہ کی طرف سے معجزہ ہے جو خود اللہ نے اسے عطا فرما رکھا ہے۔ ہم تو اس اللہ پر ایمان لائے۔ حقیقتاً رب العالمین وہی ہے۔ [1]

پھر کسی کو کچھ اور شبہ نہ ہو یا کوئی کسی طرح تاویل نہ کر سکے اور صفائی کر دی کہ ان دونوں بھائیوں اور اللہ کے سچے نبیوں یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پروردگار کو ہم نے تو مان لیا۔ حضرت قاسم کا بیان ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے تو اٹھنے سے پہلے ہی پروردگار عالم نے دوزخ دکھائی جس سے انہیں بچایا گیا اور جنت دکھائی جو انہیں دی گئی۔

---

[1] [تفسير ابن جرير الطبرى (٦/٢٤)]

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي
الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ
مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا
مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

فرعون کہنے لگا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لا چکے؟ یقیناً یہ تمہاری ایک مکاری ہے جسے اس شہر میں ظاہر کر کے تم یہاں سے یہاں والوں کو نکال دینا چاہتے ہو، خیر تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا○ میں تم سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کٹوا کر پھر تمہیں سولی پر لٹکوا دوں گا○ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں○ تو ہم سے محض اسی بات کا انتقام لے رہا ہے کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے پاس آئیں تو ہم نے تسلیم کر لیں اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر برسا دے اور ہمیں مسلمانی کی حالت میں اٹھا○

فرعون غصے میں: جادوگروں کے اس طرح عام مجمع میں ہار جانے پھر اس طرح سب کے سامنے بے دھڑک اسلام قبول کر لینے سے فرعون آگ بگولا ہو گیا اور اس اثر کو روکنے کے لئے سب سے پہلے تو ان مسلمانوں سے کہنے لگا تمہارا بھید مجھ پر کھل گیا ہے تم سب مع موسیٰ کے ایک ہی ہو یہ تمہارا استاد ہے تم اس کے شاگرد ہو۔ [1] تم نے آپس میں پہلے یہ طے کیا کہ تو پہلے چلا جا پھر ہم آ جائیں گے اس طرح میدان قائم ہو، ہم مصنوعی لڑائی لڑ کر ہار جائیں گے اور اس طرح اس ملک کے اصلی باشندوں کو یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ فرعون کے اس جھوٹ پر اللہ کی مار ہے۔ کوئی بے وقوف بھی اس کے اس بیان کو صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ سب کو معلوم تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا بچپن فرعون کے محل میں گذارتے ہیں، اس کے بعد مدین میں عمر کا ایک حصہ بسر کرتے ہیں۔ مدین سے سیدھے مصر کو پہنچ کر اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں اور معجزے دکھاتے ہیں جن سے عاجز آ کر فرعون اپنے جادوگروں کو جمع کرتا ہے وہ براہ راست اس کی سپاہ کے ساتھ اس کے دربار میں پیش ہوتے ہیں۔ انعام و اکرام کے لالچ سے ان کے دل بڑھائے جاتے ہیں۔ وہ اپنی فتح مندی کا یقین دلاتے ہیں فرعون انہیں اپنی رضا مندی کا یقین دلاتا ہے خوب تیاریاں کر کے میدان جماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں سے ایک سے بھی واقف نہیں کبھی نہ کسی کو دیکھا ہے نہ سنا ہے ملے ہیں نہ جانتے ہیں۔ لیکن وزیرے چنیں شہریارے چناں وہاں تو ان لوگوں کا مجمع تھا کہ فرعون نے جب کہا کہ میں رب اعلیٰ ہوں تو سب نے گردنیں جھکا کر کہا بیشک حضور آپ خدا ہیں تو ایسے جہالت کے پلندوں سے کوئی بات منوا لینی کیا مشکل تھی؟ اس کے رعب میں آ کر ایمان لانے کا ارادہ بدلا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ واقعی فرعون ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے امیر سے فرمایا کہ اگر میں غالب آ جاؤں تو کیا

---

[1] [سورہ طٰہٰ: آیت ۷۱]

تو مجھ پر ایمان لائے گا؟ اس نے کہا آج میدان میں ہماری جانب سے جو جادو پیش کیا جائے گا اس کا جواب ساری مخلوق کے پاس نہیں تو اگر اس پر غالب آ گیا تو مجھے بیشک یقین ہو جائے گا کہ وہ جادو نہیں معجزہ ہے۔ یہ گفتگو فرعون کے کانوں تک پہنچی اسے یہ دوہرا رہا ہے کہ تم نے ملی بھگت کر لی۔ [1] اس طرح لوگوں کے دل حقانیت سے ہٹا کر انہیں بدظن کرنے کے لئے دوسری چال چلتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اپنے اتفاق اور پوشیدہ چال سے چاہتے یہ ہو کہ ہماری دولت وشوکت چھین لو ہمیں یہاں سے نکال باہر کرو۔ اس طرح اپنی قوم کے دل ان کی طرف سے پھیر کر پھر انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے چوتھی چال چلتا ہے کہ ان نومسلموں سے کہتا ہے کہ دیکھو تو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ سو میں کتنے بیس ہوتے ہیں۔

مجھے بھی قسم ہے جو تمہارے ہاتھ پاؤں نہ کٹوائے اور وہ بھی الٹی طرح یعنی پہلے اگر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے تو پھر بایاں پاؤں اور اگر پہلے سیدھا پاؤں کاٹا جائے تو پھر الٹا ہاتھ۔ اسی طرح بے دست و پا کر کے کھجوروں کی شاخوں پر لٹکا دوں گا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس ظالم بادشاہ سے پہلے ان دونوں سزاؤں کا رواج نہ تھا۔ یہ دھمکی دے کر وہ سمجھتا تھا کہ اب یہ نرم پڑ جائیں گے لیکن وہ تو ایمان میں اور پختہ ہو گئے۔ بالاتفاق جواب دیتے ہیں کہ اچھا ڈرایا؟ یہاں سے تو واپس اللہ کے پاس جانا ہی ہے اسی کے قبضہ وقدرت میں سب کچھ ہے آج اگر تیری سزاؤں سے بچ گئے تو کیا اللہ کے ہاں کی سزائیں بھی معاف ہو جائیں گی؟ ہمارے نزدیک تو دنیا کی سزائیں بھگت لینا بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بھگتنے کے بہت ہی آسان ہیں۔ تو ہم سے اللہ کے نبی کا مقابلہ کرا چکا ہے لیکن اب ہم پر حق واضح ہو گیا ہم اس پر ایمان لے آئے تو تو چڑ رہا ہے۔ کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن خیال آیا کہ کہیں ہمارا قدم پھسل نہ جائے اس لئے دعا میں دل کھول دیا کہ اے اللہ ہمیں صبر عطا فرما' ثابت قدمی دے' ہمیں اسلام پر ہی موت دے' تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوں۔ ایسا نہ ہو اس ظالم کے رعب یا اس کی دھمکی میں آ جائیں یا سزاؤں سے ڈر جائیں یا ان کی برداشت کی تاب نہ لائیں۔ ان دعاؤں کے بعد دل بڑھ جاتے ہیں' ہمتیں دوگنی ہو جاتی ہیں فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہیں تجھے جو کرنا ہے اس میں کمی نہ کر' کسر اٹھا نہ رکھ' جو جی میں ہے کر گزر تو دنیا ہی میں سزائیں دے سکتا ہے۔ ہم صبر کر لیں گے کیا عجب کہ ہمارے ایمان کی وجہ سے اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے خصوصاً ابھی کی یہ خطا کہ ہم نے جھوٹ سے سچ کا مقابلہ کیا۔ بیشک اللہ بہتر ہے اور زیادہ باقی۔ گناہگاروں کے لئے اس کے ہاں جہنم کی سزا ہے جہاں نہ موت آئے نہ کارآمد زندگی ہو۔ اور مومنوں کے لئے اس کے پاس جنتیں ہیں جہاں بڑے بلند درجے ہیں [2] سبحان اللہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں کافر اور جادوگر تھے۔ اور اسی دن کے آخری حصہ میں مومن بلکہ نیک شہید تھے۔ [3]

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٢٤)]

[2] [سورہ طٰہٰ: آیت ٧٢-٧٥]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٣٥)]

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ
وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ
تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي
ع ۱۵ الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

فرعون کے قومی سرداروں نے کہا کہ اے بادشاہ آپ موسیٰ کو اور اس کی قوم کو یوں ہی زمین میں فساد مچانے دیا کریں گے؟ کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو بھی چھوڑ بیٹھیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں ہم تو ان کے لڑکوں کو قتل کرا دیا کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے اور ہم ان پر ہر طرح غالب ہیں ○ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو زمین کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دیتا ہے انجام کار کی بہتری پرہیزگاروں ہی کا حصہ ہے ○ وہ کہنے لگے کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں تو تکلیفیں پہنچائی جاتی رہیں اور آپ ہمارے پاس آ چکے اس کے بعد بھی فرمایا بہت قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو بالکل ہی تاخت و تاراج کر دے اور خود تمہیں ہی زمین کا خلیفہ بنا دے۔ پھر دیکھ لے کہ تم کیسے کچھ اعمال کرتے ہو؟ ○

بغاوت کا الزام: فرعون اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کے خلاف جو منصوبے سوچے گانٹھے ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کو ان مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہے کہنے لگے یہ تو آپ کی رعایا کو بہکاتے ہیں بغاوت پھیلا دیں گے ملک میں بدامنی پیدا کریں گے ان کا ضرور اور جلد کوئی انتظام کرنا چاہئے۔ اللہ کی شان دیکھئے یہ کیسے مصلح بنے ہوئے ہیں کہ اللہ کے رسول اور مومنوں کے فساد سے دنیا کو بچانا چاہتے ہیں حالانکہ مفسد اور بدنفس خود ہیں۔ ﴿وَيَذَرَكَ﴾ میں بعض تو کہتے ہیں واؤ حالیہ ہے یعنی درآنحالیکہ موسیٰ علیہ السلام اور قوم موسیٰ نے تیری پرستش چھوڑ رکھی ہے پھر بھی تو انہیں زندہ رہنے دیتا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات میں ہے ﴿وَقَدْ تَرَكُوْكَ اَنْ يَعْبُدُوْكَ وَاٰلِهَتَكَ﴾ [1] اور قول ہے کہ واؤ عاطفہ ہے یعنی تو نے انہیں چھوڑ رکھا ہے۔ جس فساد کو یہ برپا کر رہے ہیں اور تیرے معبودوں کے چھوڑنے پر اکسا رہے ہیں۔ بعض کی قرات ((اِلَاهَتَكَ)) ہے یعنی تیری عبادت سے۔ بعض کا بیان ہے کہ فرعون بھی کسی کی پوجا کرتا تھا۔ ایک قول ہے کہ اسے وہ پوشیدہ راز میں رکھتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا بت اس کی گردن میں ہی لٹکتا رہتا تھا جسے یہ سجدہ کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی بہترین گائے پر فرعون کی نگاہ پڑ جاتی تو لوگوں سے کہہ دیتا کہ اس کی پرستش کرو۔ اسی لئے سامری نے بھی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٢٦)]

بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا نکالا۔ الغرض اپنے سرداروں کی بات سن کر فرعون جواب دیتا ہے کہ اب ان کے لئے ہم احکام جاری کریں گے کہ ان کے ہاں جو اولاد ہو دیکھ لی جائے۔ اگر لڑکا ہو تو قتل کر دیا جائے لڑکی ہو تو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ پہلے سرکش فرعون ان مساکین کے ساتھ یہی کر چکا تھا جبکہ اسے یہ منظور تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہی نہ ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود اس کے حکم کے زندہ وسالم بچے رہے اب دوبارہ اس نے یہی قانون جاری کیا تاکہ بنی اسرائیل کی جمعیت ٹوٹ جائے' یہ کمزور پڑ جائیں اور بالآخر ان کا نام مٹ جائے لیکن قدرت نے اس کا بھی خلاف کر دکھایا۔ اس کو اور اس کی قوم کو غارت کر دیا اور بنی اسرائیل کو اوج وترقی پر پہنچا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تکبر کے مقابلے میں تحمل اور اس کے ظلم کے مقابلے میں صبر سے کام لیا اپنی قوم کو سمجھایا اور بتایا کہ اللہ فرما چکا ہے کہ انجام کے لحاظ سے تم ہی اچھے رہو گے تم اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ قوم والوں نے کہا اے اللہ کے نبی علیہ السلام آپ کی نبوت سے پہلے بھی ہم اسی طرح ستائے جاتے رہے' اسی ذلت واہانت میں مبتلا رہے اور اب پھر یہی نوبت آئی ہے۔ آپ نے مزید تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ یقین مانو کہ تمہارا بدخواہ ہلاک ہوگا اور تم کو اللہ تعالیٰ اوج پر پہنچا دے گا۔ اس وقت وہ دیکھے گا کہ کون کتنا شکر بجالاتا ہے؟ تکلیف کا ہٹ جانا راحت کامل جانا انسان کو نہال نہال کر دیتا ہے۔ یہ پورے شکریئے کا وقت ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾
فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى
وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

ہم نے فرعونیوں کو قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں گرفتار کیا کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں ○ انہیں جب راحت ملتی کہتے ہم اسی کے قابل ہیں' اور جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست سے بتاتے' آگاہ رہو کہ ان کی بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے لیکن یہ محض بے خبر ہیں ○

آل فرعون قحط سالی سے دوچار: اب آل فرعون پر بھی سختی کے مواقع آئے تاکہ ان کی آنکھیں کھلیں اور اللہ کے دین کی طرف جھکیں۔ کھیتیاں کم آئیں' قحط سالیاں پڑ گئیں۔ درختوں میں پھل کم لگے یہاں تک کہ ایک درخت میں ایک ہی کھجور لگی یہ صرف بطور آزمائش تھا کہ وہ اب بھی ٹھیک ہو جائیں۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو راستی سے دشمنی ہوگئی شادابی اور فراخی دیکھ کر تو اکڑ کر کہتے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور خشک سالی اور تنگی دیکھ کر آواز لگاتے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور مومنوں کی وجہ سے ہے۔ غلط خیال تھا۔ جب کہ مصیبتیں اور راحتیں اللہ کی جانب سے ہیں لیکن بے عملی کی باتیں بناتے رہے ان کی بدشگونی ان کے بداعمال تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر مصیبتیں لاتے تھے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ
فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ
مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ
يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کہنے لگے کہ موسیٰ تو ہمیں جادو کرنے کے لئے جو بھی چاہے نشان لے کر آ ہم تو تیری ماننے والے نہیں ○ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور چچڑی جوئیں اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانات لیکن یہ اکڑتے ہی رہے یہ تھے بڑے ہی نافرمان لوگ ○ کوئی سزا جب ان پر آ جاتی تو کہنے لگتے اے موسیٰ اپنے رب سے ہمارے لیے بمطابق اس اقرار کے جو تجھ سے ہے دعا کر اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو ہم تیرے ساتھ بھیج دیں گے ○ پھر جب ہم ان سے اپنے عذاب ہٹا لیتے اس مدت تک جسے وہ پہنچنے والے ہی ہیں اسی وقت فوراً ہی وہ عہد شکنی کر ڈالتے ○

فرعونی عذاب کا شکار: ان کی سرکشی اور ضد دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہتے ہیں کہ آپ خواہ کتنی ہی دلیلیں پیش کریں، کیسے ہی معجزے بتائیں، ہم ایمان لانے والے نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ سب آپ کے جادو کے کرشمے ہیں۔ ان پر طوفان آیا، بکثرت بارشیں برسیں جس سے پھل اور اناج تباہ ہو گئے اور اسی سے وبا اور طاعون کی بیماری پھیل پڑی۔ اسی لئے بعض مفسرین نے کہا ہے طوفان سے مراد موت ہے۔ [1] بعض کہتے ہیں کوئی زبردست آسمانی آفت آئی تھی جس نے انہیں گھیر لیا تھا۔ ٹڈیوں کی مصیبت ان پر آئی۔ یہ ایک حلال جانور ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا سات غزوے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے۔ ہر ایک میں ہم تو ٹڈیاں کھاتے رہے۔ [2] شافعی احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہمارے لئے حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی اور کلیجی اور تلی۔ [3] ابوداود میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کی نسبت سوال

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۰۰۵) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۸۵۵/۵)]

[2] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الذبائح و الصید: باب اکل الجراد (۵۴۹۵) صحیح مسلم: کتاب الصید: باب اباحۃ الجراد (۱۹۵۲) نسائی: کتاب الصید: باب الجراد (۴۳۶۷) ترمذی: کتاب الاطعمۃ: باب ماجاء فی الجراد (۱۸۲۲) مسند احمد (۳۵۷/۴)]

[3] [**صحیح**: ابن ماجہ: کتاب الاطعمۃ: باب الکبد و الطحال (۳۳۱۴)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجہ، السلسلۃ الصحیحۃ (۱۱۱۸)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

ہوا تو آپ نے فرمایا اللہ کے لشکر بہت سے ہیں جنہیں نہ میں کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں۔ ① حضور ﷺ نے جی نہ چاہنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا جیسے گوہ کو آپ نے نہیں کھایا۔ حالانکہ دوسروں کو اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اسے ایک مستقل رسالہ میں تصنیف فرمایا ہے اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ ٹڈی نہیں کھاتے تھے اور نہ گردے کھاتے تھے اور نہ گوہ۔ لیکن انہیں آپ نے حرام نہیں کیا۔ ٹڈی اس وجہ سے کہ وہ عذاب ہے، گردے اس وجہ سے کہ یہ پیشاب کے قریب ہیں اور گوہ اس وجہ سے کہ آپ کو خوف تھا کہیں یہ مسخ شدہ امت نہ ہو۔ ② پھر یہ روایت بھی غریب ہے صرف یہی ایک سند ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ٹڈی کو بڑی رغبت سے کھایا کرتے، تلاش کر کے منگوایا کرتے۔ چنانچہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ ٹڈی کھائی جائے؟ آپ نے فرمایا کاش کہ ایک دولپیں مل جاتیں تو کیسے مزے سے کھاتے۔ ③ ابن ماجہ میں ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن تو طباقوں میں لگا کر ٹڈیاں ہدیے اور تحفے کے طور پر بھیجتی تھیں۔ ④ امام بغوی ایک روایت لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایسا گوشت مجھے کھلا جس میں خون نہ ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹڈی کھلائی آپ نے ان کے لئے دعا کی کہ اے اللہ اسے بغیر دودھ پینے کے زندگی دے اور اس کی اولاد کو بغیر آواز نکالے اس کے پیچھے لگادے۔ ⑤ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے،

---

① [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب فی اکل الجراد (٣٨١٣) ابن ماجه : کتاب الصید : باب صید الحیتان والجراد (٣٢١٩) بیهقی فی السنن الکبری (٢٥٧/٩) طبرانی کبیر (٦١٢٩) تاریخ بغداد للخطیب (٧٢/١٤) ابن عساکر فی تاریخ دمشق (٣٨٩/٧)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعیفة (١٠٣٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

② [ضعیف : اس کی سند میں یحییٰ بن خالد راوی مجہول ہے۔ [میزان (٩٤٩٣)] شیخ البانیؒ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف الجامع الصغیر (٣٣٩٢)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

③ [صحیح : مؤطا : کتاب صفة النبی : باب ما جاء فی الطعام والشراب (٣٠)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

④ [ضعیف : ابن ماجه : کتاب الصید : باب صید الحیتان والجراد (٣٢٢٠) ابن عدی فی الکامل (١٢٢٠/٣) بیهقی فی السنن الکبری (٢٥٨/٩) موضح اوهام الجمع والتفریق للخطیب (١٢٩/٢)] حافظ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ابوسعد بقال راوی ضعیف ہے، اسے امام نسائیؒ اور امام عجلیؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام بخاریؒ اسے منکر الحدیث کہتے ہیں اور امام ابوحاتمؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی حدیث قابل حجت نہیں۔ [الزوائد (٦٤/٣)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابن ماجه]

⑤ [ضعیف : بیهقی فی السنن الکبری (٢٥٨/٩) طبرانی کبیر (٧٦٣١)] اس کی سند میں نمیر بن یزید راوی مجہول ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔]

ٹڈیوں کو مارو نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے۔ [1] مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ٹڈیاں ان کے دروازوں کی کیلیں کھا جاتی تھیں اور لکڑی چھوڑ دیتی تھیں۔ اوزاعی کہتے ہیں میں ایک دن جنگل میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ٹڈیاں بہت سی آسمان کی طرف ہیں اور ان میں سے ایک ٹڈی پر ایک شخص سوار ہے جو ہتھیار بند ہے جو جس طرف اشارہ کرتا ہے ساری ٹڈیاں اس طرف جھک جاتی ہیں اور وہ زبان سے برابر کہہ رہا ہے کہ دنیا باطل ہے اور اس میں جو ہے وہ بھی باطل ہے۔ شریح قاضی فرماتے ہیں اس جانور میں سات مختلف جانوروں کی شان ہے اس کا سر گھوڑے جیسا ہے گردن بیل جیسی ہے سینہ شیر جیسا ہے پر گدھ جیسے ہیں پیر اونٹ جیسے ہیں دم سانپ کی طرح کی ہے۔ پیٹ بچھو جیسا ہے آیت ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ [2] کی تفسیر میں یہ روایت گذر چکی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرے میں جا رہے تھے تو سامنے سے ہمیں ٹڈی دل ملا ہم نے احرام کی حالت میں انہیں لکڑیوں سے مارنا شروع کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے پر آپ نے فرمایا دریائی شکار میں محرم کو کوئی حرج نہیں۔ [3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان ٹڈیوں کے لئے بددعا کرتے تو فرماتے اے اللہ جتنی ان میں سے بڑی ہیں تو ان سب کو ہلاک کر ڈال اور جتنی چھوٹی ہیں سب کو قتل کر ڈال ان کے انڈے خراب کر دے ان کی نسل کاٹ دے ان کے منہ ہماری روزی سے روک لے ہمیں روزیاں عطا فرما بیشک تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔ اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ایک لشکر کے غارت و برباد ہو جانے کی آپ دعا کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو سمندر کے اندر کی مچھلیوں کا ناک جھاڑنا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اسے مچھلی میں سے اسی طرح نکلتے دیکھا ہے۔ [4] جب مچھلی سمندر کے کنارے انڈے دے جاتی ہے وہاں سے جب پانی ہٹ جاتا ہے اور دھوپ پڑنے لگتی ہے تو وہ انڈے

---

[1] [حسن: طبرانی کبیر (۲۲/۲۹۷) ابو الشیخ فی العظمۃ (۵/۱۲۹۳) ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی (۳/۱۴۴۰) بیہقی فی شعب الایمان (۷/۱۰۱۲۷) ابن مندہ (۲/۲۴۳)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۴/۳۹)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۷۳۸۸)]

[2] [سورہ المائدہ: آیت ۹۶]

[3] [ضعیف: ابن ماجہ: کتاب الصید: باب صید الحیتان والجراد (۳۲۲۲) ابوداؤد: کتاب الحج: باب فی الجراد للمحرم (۱۸۵۴) ترمذی: کتاب الحج: باب ماجاء فی صید البحر للمحرم (۸۵۰)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۱۰۳۱)]

[4] [موضوع و باطل: ابن ماجہ: کتاب الصید: باب صید الحیتان (۳۲۲۱) ترمذی: کتاب الاطعمۃ: باب ماجاء فی الدعاء علی الجراد (۱۸۲۳) تاریخ بغداد للخطیب (۸/۴۷۸)] امام ابن جوزیؒ، امام شوکانیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور علامہ ابن عراق کنانیؒ نے اسے ضعیف و موضوع روایات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔[الموضوعات (۳/۱۴) الفوائد المجموعۃ (ص: ۱۷۴) تذکرۃ الموضوعات (ص: ۱۵۵) تنزیہ الشریعۃ (۲/۳۰۹)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[فتح الباری (۱/۶۲۱)] علامہ البانیؒ اسے موضوع و باطل قرار دیتے ہیں۔[السلسلۃ الضعیفۃ (۱۱۲)]

سب کے سب پھوٹ جاتے ہیں اور ان میں سے ٹڈیاں نکلتی ہیں جو پرواز کر جاتی ہیں۔ آیت قرآن ﴿اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ [1] کی تفسیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہم نے بیان کردی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں۔ سب سے پہلے ہلاکت ٹڈیوں کی ہوگی۔ [2] امام ابوبکر بن ابوداؤد ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکڑی تلوار کے مقابلے میں کچھ نہیں اور درخت کی چھال ٹڈی کے مقابلے میں کچھ نہیں [3] یہ حدیث غریب ہے۔ ﴿قُمَّلَ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ وہ سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانور ہیں جو گیہوں میں سے نکلتے ہیں اور قول ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی بے پر ٹڈیاں ہیں۔ سعید کہتے ہیں سیاہ رنگ کے چھوٹے سے کیڑے ہیں۔ اس کا واحد قملہ ہے۔ یہ جانور جب اونٹ کو چمٹ جاتے ہیں تو اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔ الغرض ایسے ہی موذی جانور بصورت عذاب فرعونیوں کے لئے بھیجے گئے تھے۔ فرعون کی سرکشی اور انکار پر طوفان آیا جس سے انہیں یقین ہوگیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔ گڑگڑا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے یہ موسلا دھار پانی رک جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ کردیں گے۔ آپ نے دعا کی طوفان ہٹ گیا تو یہ اپنے وعدے سے پھر گئے۔ پھر اللہ کی شان ہے کہ کھیتیاں اور باغات اس قدر پھلے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے نہیں پھلے تھے جب تیار ہو گئے تو ٹڈیوں کا عذاب آیا اسے دیکھ کر پھر گھبرائے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہٹالے اب ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں چنانچہ آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی ہٹ گیا لیکن انہوں نے پھر وعدہ شکنی کی۔ فصلیں کاٹ لائے کھلیان اٹھا لئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب پھر اور شکل میں آیا تمام اناج وغیرہ میں کیڑا لگ گیا اس قدر بکثرت یہ جانور پھیل گئے کہ دس پیمانے لے کر کوئی شخص پسوانے نکلتا تو پسوانے تک یہ جانور سات پیمانے کھا لیتے۔ گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے پھر وعدے کئے آپ نے پھر دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس آفت کو بھی ہٹالیا۔ لیکن انہوں نے پھر بے ایمانی کی۔ نہ بنی اسرائیل کو رہا کیا نہ ایمان قبول کیا۔ اس پر مینڈکوں کا عذاب آیا۔ دربار میں فرعون بیٹھا ہوا ہے تو وہیں مینڈک ظاہر ہو کر ٹرانے لگا سمجھ گئے کہ یہ نئی شکل کا عذاب الٰہی ہے۔ اب یہ پھیلنے اور بڑھنے شروع ہوئے یہاں تک کہ آدمی بیٹھتا تو اس کی گردن تک آس پاس سے اسے مینڈک گھیر لیتے۔ جہاں بات کرنے کے لئے کوئی منہ کھولتا کہ مینڈک تڑپ کر اس کے منہ میں گھس جاتا۔ پھر تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے ہٹنے کی درخواست کی اور اقرار کیا کہ ہم خود ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کردیں گے چنانچہ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو بھی دفع کر دیا لیکن پھر مکر گئے۔

---

[1] [سورہ الانعام: آیت ۳۸]

[2] [ضعیف جدا: دولابی (۵۲/۲) مجمع الزوائد (۱۲۴۳۳) الخطیب (۲۱۸/۱۱)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ [۳/۱۳۔ ۱۴] شیخ البانیؒ اسے سخت ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعیفة (۴۸۱۱)]

[3] [ضعیف: اس کی سند میں محمد بن مالک راوی ضعیف ہے۔ [میزان (۱۸۰۸)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

چنانچہ ان پر خون کا عذاب آیا تمام برتنوں میں خون کھانے پینے کی چیزوں میں خون کنویں میں سے پانی نکالیں تو خون۔ تالاب سے پانی لائیں تو خون۔ پھر تڑپ اٹھے فرعون نے کہا یہ بھی جادو ہے لیکن جب تنگ آ گئے تو آخر موسیٰ علیہ السلام سے مع وعدہ درخواست کی کہ ہم تو پانی سے ترس گئے۔ چنانچہ آپ نے قول وقرار لے کر پھر دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو بھی ہٹا لیا لیکن یہ پھر منکر ہو گئے۔ فرعون جب میدان سے ناکام واپس لوٹا تھا اس نے ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو میں ایمان نہ لاؤں گا۔ چنانچہ طوفان کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے پھر ٹڈیوں کا عذاب آیا تو درخت تو کیا گھر کی چوکھٹیں اور دروازوں تک وہ کھا گئیں مکانات گرنے لگے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ایک پتھر پر لکڑی ماری۔ جس میں سے بے شمار چچڑیاں نکل پڑیں اور پھیل گئیں۔ کھانا' پینا' سونا' بیٹھنا' سب بند ہو گیا۔ پھر مینڈکوں کا عذاب آیا جہاں دیکھو مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے۔ پھر خون کا عذاب آیا' نہریں' تالاب' کنویں' مٹکے گھڑے وغیرہ غرض بجائے پانی کے خون ہی خون سب چیزیں ہو گئیں۔ عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں مینڈک کو نہ مارو یہ جب بصورت عذاب فرعونیوں کے پاس آئے تو ایک نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے تنور میں چھلانگ ماری۔ اللہ نے اس کے بدلے انہیں پانی کی ٹھنڈک عطا فرمائی اور ان کی آواز کو اپنی تسبیح بنایا۔ یہ بھی مروی ہے کہ خون سے مراد نکسیر پھوٹنا ہے الغرض ہر عذاب کو دیکھ کر اقرار کرتے لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ ہٹ جاتا تو پھر انکار کر جاتے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا
فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا
مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

منزل ۲

پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غافل تھے ○ اور اس قوم کو وارث کیا جو محض ناتواں گنی جاتی تھی اس زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی' اور بنی اسرائیل سے تیرے رب کا بہترین وعدہ پورا ہوا صرف ان کے صبر کی وجہ سے اور ہم نے درہم برہم کر دیا ہر اس چیز کو جسے فرعون اور قوم فرعون کر رہی تھی اور جو کچھ وہ بلند و بالا عمارتیں بنا رہے تھے سب کو ○

دریا میں غرقابی: جب یہ لوگ اپنی سرکشی اور خود پسندی میں اتنے بڑھ گئے کہ باری تعالیٰ کی بار بار نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان لانے سے برابر انکار کرتے رہے تو قدرت نے اپنے زبردست انتقام میں انہیں پھانس لیا اور سب کو دریا برد کر دیا۔ بنو اسرائیل بحکم الٰہی ہجرت کر کے چلے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا ان کے لئے خشک ہو گیا پھر فرعون اور اس کے ساتھی اس میں اترے تو دریا میں پھر روانی آ گئی اور پانی کا ریلہ آیا اور وہ سب ڈوب گئے۔ یہ تھا انجام اللہ کی باتوں کو جھوٹ سمجھنے اور ان سے غافل رہنے کا۔

پھر پروردگار نے بنو اسرائیل جیسے کمزور و ناتواں لوگوں کو اس زمین کا وارث بنا دیا۔ مشرق و مغرب ان کے

قبضے میں آ گیا جیسے فرمان ہے کہ ہم نے ان بے بسوں پر احسان کرنا چاہا اور انہیں امام اور وارث بنانا چاہا۔ انہیں حکومت سونپ دی اور فرعون وہامان اور ان کے لشکریوں کو وہ نتیجہ دکھایا جس سے وہ بھاگ رہے تھے۔ اور آیتوں میں ہے کہ فرعونیوں سے ہرے بھرے باغات' چشمے' کھیتیاں' عمدہ مقامات' فراواں نعمتیں چھڑوا کر ہم نے دوسری قوم کے سپرد کر دیں۔ سرزمین شام برکت والی ہے یہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ بنی اسرائیل کا صبر اب نیک نتیجہ لایا فرعون اور اس کی قوم کی بنی بنائی چیزیں غارت ہوئیں۔

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

بنی اسرائیل کو جب ہم نے دریا پار کرا دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں کی مجاورت کئے بیٹھی تھی کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے بھی کوئی پوجنے کی چیز بنا دے جیسے کہ ان کے معبود ہیں آپ نے فرمایا تم بڑے جاہل لوگ ہو ○ یہ جس مذہب پر ہیں وہ بھی باطل اور جس عمل پر ہیں وہ بھی باطل ○

باطل معبود کا مطالبہ: اتنی ساری اللہ کی قدرت کی نشانیاں بنی اسرائیل دیکھ چکے لیکن دریا پار اترتے ہی بت پرستوں کے ایک گروہ کو اپنے بتوں کے آس پاس اعتکاف میں بیٹھے دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ'' ہمارے لئے بھی کوئی چیز مقرر کر دیجئے تاکہ ہم بھی اس کی عبادت کریں جیسا کہ ان کے معبود ان کے سامنے ہیں''۔ یہ کافر لوگ کنعانی تھے ایک قول ہے کہ لخم قبیلہ کے تھے [1] یہ گائے کی شکل بنائے ہوئے اس کی پوجا کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال سے محض ناواقف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ اللہ شریک و مثیل سے پاک اور بلند تر ہے۔

یہ لوگ جس کام میں مبتلا ہیں وہ تباہ کن ہے اور ان کا عمل باطل ہے۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے شریف سے حنین کو روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں بیری کا وہ درخت ملا جہاں مشرکین مجاور بن کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار وہاں لٹکایا کرتے تھے اس کا نام ذات انواط تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں۔ آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے قوم موسیٰ علیہ السلام جیسی بات کہہ دی کہ ہمارے لئے بھی معبود مقرر کر دیجئے جیسا ان کا معبود ہے۔ جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا تم جاہل لوگ ہو یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ ہلاکت خیز ہے اور جس کام میں ہیں وہ باطل ہے [2] (ابن جریر) مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ یہ درخواست کرنے والے حضرت ابو واقد لیثی تھے جواب سے پہلے یہ سوال سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ اکبر کہنا بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٤٦)]   [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٠٦٥)]

آپ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے اگلوں کی سی چال چلنے لگے۔ [1]

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿١٤١﴾ ع

کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا اور معبود تلاش کر دوں؟ اس نے تو تمہیں تمام جہان پر بزرگی دے رکھی ہے ○ یاد کرو جبکہ ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین سزائیں دے رہے تھے' تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے' دراصل اس میں تمہارے رب کی جانب سے تمہاری زبردست آزمائش تھی ○

انعامات کی یاددہانی: انہیں اس گمراہ خیالی سے روکنے کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ فرعونیوں کی غلامی سے اللہ نے تمہیں آزادی دلوائی' ذلت ورسوائی سے چھٹکارا دیا۔ پھر اوج وعزت عطا فرمائی تمہارے دیکھتے ہوئے تمہارے دشمنوں کو غارت کر دیا۔ ایسے رب کے سوا اور کون لائق عبادت ہوسکتا ہے؟

فرعون کے وقت کی اپنی ابتری کو بھول گئے جس سے اللہ نے نجات دی۔ اس کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤٢﴾

ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس وعدے کو دس روز سے پورا فرمایا اور یوں اس کے رب کا چالیس راتوں کا وعدہ پورا ہو گیا' موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تو میری قوم میں میرا جانشین رہ میل جول قائم رکھ اور مفسدوں کی راہ نہ چل ○

احسانات پہ احسانات: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنا وہ احسان یاد دلاتا ہے جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی حاصل ہوا اور تورات ملی جو ان سب کے لئے باعث ہدایت و نور تھی جس میں ان کی شریعت کی تفصیل تھی اور اللہ کے تمام احکام موجود تھے۔ تیس راتوں کا وعدہ ہوا' آپ نے یہ دن روزوں سے گزارے۔ وقت پورا کر کے ایک درخت کی چھال کو چبا کر مسواک کی۔ حکم ہوا کہ دس اور پورے کر کے پورے چالیس کرو۔ کہتے ہیں کہ ایک مہینہ تو ذوالقعدہ کا تھا اور دس دن ذوالحجہ کے۔ تو عید والے دن وہ وعدہ پورا ہوا اور اسی دن اللہ کے کلام سے آپ کو

---

[1] [صحیح: ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجآء لترکبن سنن من کان قبلکم (۲۱۸۰) نسائی فی السنن الکبری (۱۱۱۸۵) صحیح ابن حبان (۶۷۰۲) والبغوی فی التفسیر (۹۳۹) ابن ابی شیبۃ (۱۰۱/۱۵) مسند احمد (۲۱۸/۵) مسند ابویعلی (۱۴۴۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

شرف ملا اسی دن دین محمدی بھی کامل ہوا ہے۔ جیسے اللہ کا فرمان ہے ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ [1] الخ،
وعدہ پورا کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کا قصد کیا جیسے اور آیت میں ہے کہ اے گروہ بنی اسرائیل ہم
نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور طور ایمن کا وعدہ کیا الخ۔ [2] آپ نے جاتے ہوئے اپنے بھائی حضرت
ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا اور انہیں اصلاح کی اور فساد سے بچنے کی ہدایت کی۔ یہ صرف بطور وعظ کے تھا ورنہ خود
حضرت ہارون علیہ السلام بھی اللہ کے شریف و کریم اور ذی عزت پیغمبر تھے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ
لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ
فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ
تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٤٣﴾

جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے باتیں کیں کہنے لگا کہ میرے رب مجھے اپنا دیدار کرا کہ میں
تجھے دیکھوں، ارشاد ہوا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا اچھا اس پہاڑ کی طرف نظریں اٹھا اگر یہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تو مجھے دیکھ سکے گا،
پھر جب اس کے رب نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین دوز کر دیا اور موسیٰ بھی غش کھا کر گر پڑا ہوش آتے
ہی کہنے لگا کہ تیری ذات پاک ہے۔ میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور تجھ پر ایمان لانے والوں میں اوّل ہوں ○

دیدار الٰہی کا مطالبہ: وعدے کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر پہنچے اللہ کا کلام سنا تو دیدار کی آرزو کی، جواب
ملا کہ یہ تیرے لئے ناممکن ہے۔ اس سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ کا دیدار نہ ہوگا کیونکہ
((لن)) ابدی نفی کے لئے آتا ہے لیکن یہ قول بالکل ہی بودا ہے کیونکہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مومنوں کو
قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہوگا۔ وہ حدیثیں آیت ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ [3] اور
آیت ﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ [4] کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ایک
قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ یہ نفی ابدی ہے لیکن دنیاوی زندگی کے لئے نہ کہ آخرت کے لئے۔ کیونکہ
آخرت میں دیدار باری تعالیٰ مومنوں کو قطعاً ہوگا جیسا کہ آیات و احادیث سے ثابت ہے اس طرح کوئی معارضہ
بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ آیت مثل ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ [5] کے ہے جس کی تفسیر سورہ انعام میں گذر چکی
ہے۔ اگلی کتابوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست پر ان سے کہا گیا تھا کہ اے موسیٰ مجھے جو زندہ شخص
دیکھ لے وہ مرجائے۔ میرے دیدار کی تاب کوئی زندہ نہیں لاسکتا۔ خشک چیزیں بھی میری تجلی سے تھرا اٹھتی ہیں
چنانچہ پہاڑ کا حال خود کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور خود بھی بے ہوش ہو گئے۔ امام ابو جعفر طبری رحمہ اللہ

---

[1] [سورہ المائدہ: آیت ۳]
[2] [سورہ طٰہٰ: آیت ۸۰]
[3] [سورۃ القیامۃ: آیت ۲۲، ۲۳]
[4] [سورۃ المطففین: آیت ۱۵]
[5] [سورۃ الانعام: آیت ۱۰۳]

نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی' اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا تو وہ چکنا چور ہوگیا۔ راوی حدیث ابو اسماعیل نے اپنے شاگردوں کو اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا۔ [1] لیکن اس حدیث کی سند میں ایک روای مبہم ہے جس کا نام واضح نہیں کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگلیا کی اوپر کی پور پر رکھ کر بتایا کہ اتنے سے جمال سے پہاڑ زمین کے ساتھ ہموار ہوگیا۔ مسند کی روایت میں ہے کہ حمید نے اپنے استاد سے کہا اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو استاد نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا اور انہوں نے آنحضرت رسول مقبول ﷺ سے۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح غریب فرمایا ہے۔ [2] مستدرک میں اسے وارد کر کے کہا ہے کہ یہ شرط مسلم پر ہے اور صحیح ہے۔ خلال کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اس میں کوئی علت نہیں۔ ابن مردویہ میں بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن اس کی بھی سند صحیح نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صرف بقدر چھنگلی کے تجلی ہوئی تھی جس سے وہ مٹی کی طرح چور چور ہوگیا اور کلیم اللہ علیہ السلام بھی بیہوش ہوگئے۔ کہتے ہیں وہ پہاڑ دھنس گیا سمندر میں چلا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے بعض بزرگ فرماتے ہیں وہ پہاڑ اب قیامت تک ظاہر نہ ہوگا بلکہ زمین میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس تجلی سے چھ پہاڑ اپنی جگہ سے اڑ گئے جن میں سے تین مکے میں ہیں اور تین مدینے میں۔ احد' ورقان اور رضوی مدینے میں۔ حرا' ثبیر اور ثور مکے میں۔ [3]

لیکن یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے۔ کہتے ہیں کہ طور پر تجلی کے ظہور سے پہلے پہاڑ بالکل صاف تھے اس کے بعد ان میں غار اور کھڈ اور شاخیں قائم ہوگئیں۔ جناب کلیم اللہ علیہ السلام کی آرزو کے جواب میں انکار ہوا اور پھر مزید تشفی کے لئے فرمایا گیا کہ میری ادنیٰ سی تجلی کی برداشت تجھ سے تو کیا بہت زیادہ قوی مخلوق میں بھی نہیں۔ دیکھ پہاڑ کی جانب خیال رکھ پھر اس پر اپنی تجلی ڈالی جس سے پہاڑ جھک گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوگئے۔ صرف اللہ کی نظر نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور وہ بالکل مٹی ہو کر ریت کا میدان ہوگیا۔ بعض قراتوں میں اسی طرح ہے اور ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غشی آ گئی یہ ٹھیک نہیں کہ موت آ گئی گو لغتہً یہ بھی ہوسکتا ہے جیسے ﴿فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ [4] میں موت کے معنی ہیں۔ لیکن وہاں قرینہ موجود ہے جو اس لفظ سے اسی معنی کے ہونے کی تائید کرتا ہے اور یہاں کا قرینہ بے ہوشی کی تائید کرتا ہے کیونکہ آگے فرمان ﴿فَلَمَّآ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۰۹٦)]

[2] [صحیح: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الاعراف (۳۰۷٤) مستدرك حاكم (۲/۳۲۰) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۰۹۸) مسند احمد (۳/۱۲۵) ابن عدی فی الکامل (۲/۲٦۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی، ظلال الجنة (٤۸۰)]

[3] [موضوع: الخطیب (۱۰/٤٤۱) المجروحین لابن حبان (۱/۲۱۱) الموضوعات لابن الجوزی (۱/۱۲۰) اللآلی المصنوعة للسیوطی (۱/۲۸) الفوائد المجموعة للشوکانی (ص: ٤٤۵)]

[4] [سورہ الزمر: آیت ٦۸]

آفاق ﴾ ظاہر ہے کہ افاقہ بیہوشی سے ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور تعظیم وجلال بیان فرمانے لگے کہ واقعی وہ ایسا ہی ہے کہ کوئی زندہ اس کے جمال کی تاب نہیں لاسکتا۔ پھر اپنے سوال سے توبہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سب بنی اسرائیل سے پہلے میں ایمان لانے والا بنتا ہوں۔ میں اس پر سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ واقعی کوئی زندہ آنکھ تجھے دیکھ نہیں سکتی۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ سے پہلے کوئی مومن ہی نہ تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ کا دیدار زندوں کے لئے ناممکن ہے۔ اس فرمان کو سنتے ہی سب سے پہلے ماننے والا میں ہوں کہ واقعی مخلوق میں سے کوئی قیامت تک اللہ کو دیکھ نہیں سکتا۔ ابن جریر میں اس آیت کی تفسیر میں محمد بن اسحاق بن یسار کی روایت سے ایک عجیب وغریب مطول اثر نقل کیا گیا ہے عجب نہیں کہ یہ اسرائیلی روایتوں میں سے ہو واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک یہودی کو کسی نے تھپڑ مارا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لایا کہ آپ کے فلاں انصاری نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔ آپ نے اسے بلوایا اور اس سے پوچھا اس نے کہا سچ ہے وجہ یہ ہوئی کہ یہ کہہ رہا تھا اس اللہ کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان پر فضیلت دی تو میں نے کہا کیا حضرت محمد ﷺ پر بھی؟ اور غصے میں آ کر میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔ آپ نے فرمایا سنو نبیوں کے درمیان تم مجھے فضیلت نہ دیا کرو قیامت میں سب بیہوش ہوں گے سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایہ تھامے ہوئے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ انہیں مجھ سے پہلے افاقہ ہوا؟ یا طور کی بیہوشی کے بدلے یہاں بیہوش ہی نہیں ہوئے؟ (1) یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور مسلم شریف میں بھی ہے اور ابوداؤد میں بھی ہے۔ بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا جھگڑا ہوگیا اس پر مسلمان نے کہا اس کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہان پر فضیلت دی اور یہودی نے کہا اس کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان پر فضیلت دی۔ اس پر مسلمان نے اسے تھپڑ مارا۔ اس روایت میں ہے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے بیہوشی سے استثنا کر لیا (2) حافظ ابو بکر بن ابی الدنیا رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ یہ تھپڑ مارنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ لیکن بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ یہ کوئی انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہی زیادہ صحیح اور زیادہ صریح ہے واللہ اعلم۔ اور حدیث میں بھی فرمان ہے کہ نبیوں میں مجھے فضیلت نہ دو۔ نہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت دو۔ (3) یہ فرمان بطور تواضع کے ہے یا یہ فرمان اس سے پہلے ہے کہ آپ کو اپنی فضیلت کا علم اللہ کی طرف سے ہوا ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ غصے میں آ کر یا تعصب کی بنا پر مجھے فضیلت نہ دو یا یہ کہ صرف اپنی رائے سے میری فضیلت قائم نہ کرو۔ واللہ اعلم۔ لوگ قیامت کے دن بیہوش ہوں گے۔ یہ بیہوشی میدان قیامت کی بعض ہولناکیوں کی وجہ سے

---

(1) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ولما جاء موسی لمیقتنا و کلمه ربه (٤٦٣٨) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فی ذکر یونس (٢٣٧٤)]

(2) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب وفاة موسی وذکره بعد (٣٤٠٨) صحیح مسلم (٢٣٧٣)]

(3) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول الله تعالی وان یونس لمن المرسلین (٣٤١٢_ ٣٤١٤) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فی ذکر یونس (٢٣٧٦)]

ہوگی واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے یہ اس وقت کا حال ہو جب مالک الملک تبارک وتعالیٰ لوگوں کے درمیان حق فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے گا تو اس کی تجلی سے لوگ بیہوش ہو جائیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جمال کی برداشت کوطور پہاڑ پر نہ لا سکے۔ اسی لئے آپ کا فرمان ہے کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے انہیں افاقہ ہوا یا طور کی بیہوشی کے بدلے یہاں بیہوش نہ ہوئے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ اپنی کتاب الشفا کے شروع میں لکھتے ہیں کہ دیدار الٰہی کی اس تجلی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس چیونٹی کو بھی دیکھ لیا کرتے تھے جو دس فرسخ دور رات کے اندھیرے میں کسی پتھر پر چل رہی ہو [1] اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا معراج کے واقعہ کے بعد مخصوص ہوئے ہوں اور آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا قاضی صاحب کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے حالانکہ اس کی سند غور طلب ہے۔ اس میں مجہول راوی ہیں اور ایسی باتیں جب تک ثقہ راویوں کے سلسلے سے نہ ثابت ہوں قابل قبول نہیں ہوتیں واللہ اعلم۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے اور لوگوں سے ممتاز کیا اپنی رسالت کے ساتھ بھی اور اپنے کلام سے بھی پس جو کچھ میں نے تجھے عطا فرمایا ہے لے لے اور شکرگزاروں میں شامل رہ ○ اور ہم نے موسیٰ کے لئے تورات کی تختیوں میں ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، اب تو اسے مضبوطی سے پکڑے رہ اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کی عمدہ باتیں مضبوطی سے لئے رہیں، میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کے گھر بھی دکھا دوں گا ○

انبیاء علیہم السلام کی فضیلت پر ایک تبصرہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب باری فرماتا ہے کہ دوہری نعمت آپ کو عطا ہوئی یعنی رسالت اور ہم کلامی۔ مگر چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اول وآخر نبیوں کے سردار ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسالت ختم کرنے والا آپ کو بنایا کہ قیامت تک آپ ہی کی شریعت جاری رہے گی اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ کے تابعدار تعداد میں زیادہ ہوں گے فضیلت کے اعتبار سے آپ کے بعد سب سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو خلیل اللہ تھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو کلیم اللہ تھے۔ اے موسیٰ جو مناجات اور کلام تجھے میں نے دیا ہے وہ لے لے اور مضبوطی سے اس پر استقامت رکھ اور اس پر جتنا تجھ سے ہو سکے شکر بجا لایا کر۔ کہا گیا ہے کہ تورات کی تختیاں جواہر کی تھیں، اور ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام احکام حلال حرام کے تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے تھے انہی تختیوں میں تورات تھی جس کے متعلق فرمان ہے کہ اگلے لوگوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے

---

[1] [ضعیف: کتاب الشفاء للقاضی عیاض (۱/۶۹) الدر المنثور للسیوطی (۳/۲۲۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

کتاب عطا فرمائی۔ یہ بھی مروی ہے کہ تورات سے پہلے یہ تختیاں ملی تھیں واللہ اعلم۔ الغرض دیدار الٰہی جس کی تمنا آپ نے کی تھی اس کے عوض یہ چیز آپ کو ملی۔ کہا گیا اسے ماننے کے ارادے سے لے لو اور اپنی قوم کو ان اچھائیوں پر عمل کرنے کی ہدایت کرو۔ آپ کو زیادہ تاکید ہوئی اور قوم کو ان سے کم۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری حکم عدولی کرنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے؟ جیسے کوئی کسی کو دھمکاتے ہوئے کہے کہ تم میری مخالفت کا انجام بھی دیکھ لو گے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں شام کے بدکاروں کے گھروں کا مالک بنا دوں گا۔ یا مراد اس سے فرعونیوں کا ترکہ ہو۔ لیکن پہلی بات ہی زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ فرمان تیہ کے میدان سے پہلے اور فرعون سے نجات پالینے کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

میں اپنی آیتوں کی سوچ سمجھ سے ان لوگوں کو برگشتہ کئے رہوں گا جو ناحق زمین پر اکڑتے پھرتے ہیں' وہ اگرچہ تمام نشانات دیکھ لیں انہیں ماننے کے نہیں' راہ راست دیکھ کر اسے راہ نہیں بنانے کے' اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اسے فوراً اپنا مسلک بنا لیتے ہیں' یہ وبال ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پرواہ رہے ○ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے کو نہ مانیں ان کے اعمال غارت ہیں' انہیں بدلہ صرف ان اعمال کا ہی ملے گا جو وہ کرتے رہے ○

تکبر کا انجام: تکبر کا نتیجہ ہمیشہ جہالت ہوتا ہے ایسے لوگوں کو حق کو سمجھنے' اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ان کے دل الٹ جاتے ہیں' آنکھ کان بے کار ہو جاتے ہیں۔ ان کی کجی ان کے دلوں کو بھی کج کر دیتی ہے۔ علماء کا مقولہ ہے کہ متکبر اور پوچھنے سے جی چرانے والا کبھی عالم نہیں ہو سکتا۔ جو شخص تھوڑی دیر کے لئے علم کے حاصل کرنے میں اپنے آپ کو دوسرے کے سامنے نہ جھکائے وہ عمر بھر ذلت و رسوائی میں رہتا ہے۔ متکبر لوگوں کو قرآن کی سمجھ کہاں؟ وہ تو رب کی آیتوں سے بھاگتے رہتے ہیں۔ اس امت کے لوگ ہوں یا دوسری امتوں کے سب کے ساتھ اللہ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ تکبر کی وجہ سے حق کی پیروی نصیب نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اگرچہ یہ بڑے بڑے معجزے بھی دیکھ لیں انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ گو نجات کے راستے ان پر کھل جائیں لیکن اس راہ پر چلنا ان کے لئے دشوار ہے۔ ہاں بری راہ سامنے آتے ہی یہ بے طرح اس پر لپکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے دلوں میں جھٹلانا ہے اور اپنے اعمال کے نتیجوں سے بے خبر ہیں۔

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں' آخرت کا یقین نہ رکھیں' اسی عقیدے پر مریں ان کے اعمال اکارت ہیں۔ ہم کسی

پر ظلم نہیں کرتے بدلہ صرف کیے ہوئے اعمال کا ہی ملتا ہے۔ بھلے کا بھلا اور برے کا برا جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ
لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ (۱۴۸) وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ وقف لازم
اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۱۴۹)

موسیٰ کے جانے کے بعد قوم نے قبطیوں کے زیوروں سے بچھڑے کا بے روح ڈھانچہ بنا لیا کہ اس کی گائے جیسی آواز تھی' کیا انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ نہ تو وہ ان سے بولتا ہے اور نہ انہیں راہ دکھا سکتا ہے۔ اسے لے بیٹھے اور تھے وہ پورے ظالم ○ اور جب اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور دیکھ لیا کہ وہ بہک گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اب اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو بیشک ہم نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے ○

بنی اسرائیل اور بچھڑے کی پوجا: حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے وعدے کے مطابق تورات لینے گئے ادھر فرعونیوں کے جو زیور بنی اسرائیل کے پاس رہ گئے تھے سامری نے انہیں جمع کیا اور اپنے پاس سے اس میں خاک کی مٹھی ڈال دی جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپ تلے سے اس نے اٹھالی تھی اللہ کی قدرت سے وہ سونا گل کر مثل ایک گائے کے جسم کے ہو گیا اور چونکہ کھوکھلا تھا اس میں سے آواز بھی آنے لگی اور وہ بالکل ہو بہو گائے کی سی آواز تھی۔ اس نے بنی اسرائیل کو بہکا کر اس کی عبادت کرانی شروع کر دی بہت سے لوگ اسے پوجنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس فتنے کی خبر دی۔ یہ بچھڑا یا تو سچ مچ خون گوشت بن گیا تھا یا سونے کا ہی تھا مگر شکل گائے کی تھی یہ اللہ ہی جانے۔ بنی اسرائیل تو آواز سنتے ہی ناچنے لگے اور اس پر ریجھ گئے۔ سامری نے کہہ دیا کہ اللہ تو یہی ہے موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں۔ انہیں اتنی بھی تمیز نہ آئی کہ وہ اللہ تو کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نفع ونقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔ اس بچھڑے کو اس اللہ کو چھوڑ کر پوجو جو سب کا مالک اور سب کا خالق ہے۔ اس کی وجہ سوائے اندھے پن اور بے عقلی کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے۔ [1] پھر جب اس محبت میں کمی آئی آنکھیں کھلیں تو اپنے اس فعل پر نادم ہونے لگے اور یقین کر لیا کہ

---

[1] [**ضعیف:** مسند احمد (۵/۱۹۴) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی الھوی (۵۱۳۰)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ابوبکر بن ابی مریم راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (۲۱۶۹۴)] شیخ البانی رحمہ اللہ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعیفة (۱۸۶۸)] اس روایت کے متعلق مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیے: الاسرار المرفوعة للقاری (ص: ۱۷۷) الحد الحثیث فی بیان ما لیس بحدیث (ص: ۲۰۲) الدرر المنتثرة (ص: ۹) اللؤلؤ المرصوع (ص: ۱۶۶) المغنی عن حمل الاسفار (۲/۷۲۰) المقاصد الحسنة (ص: ۲۹۴) تخریج احادیث الاحیاء (۶/۲۶۸) ذخیرة الحفاظ (۲۶۵۳) المشکاة للألبانی (۴۹۰۸) ضعیف ابوداود (۱۰۹۷) ضعیف الجامع الصغیر (۲۶۸۸)]

واقعی ہم گمراہ ہو گئے تو اللہ سے بخشش مانگنے لگے۔ ایک قرات میں ((تَغْفِرْ)) "ت" سے بھی ہے۔ جان گئے کہ اگر معافی نہ ملی تو بڑے نقصان سے دوچار ہو جائیں گے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے جھکے اور التجا کرنے لگے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع

جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصے اور رنج میں بھرا ہوا لوٹا کہنے لگا کہ تم نے میرے بعد میری بڑی ہی بری نیابت کی' کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے امر میں جلد بازی کی' اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگا' اس نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی یہ لوگ مجھے تو کمزور سمجھ کر میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے پس آپ میرے دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسائیں اور میرا شمار بھی ان ظالم لوگوں میں نہ کیجئے ○ موسیٰ کہنے لگا کہ اے میرے رب تو مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں لے لے تو تو تمام رحمت کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے ○

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی اور اظہار ناراضگی: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ طور پر ہی اپنی قوم کا یہ کفر معلوم ہو چکا تھا اس لئے سخت غضبناک ہو کر واپس آئے اور فرمانے لگے کہ تم نے تو میرے بعد سخت نالائقی کی۔ تم نے میرا انتظار بھی نہ کیا میری ذرا سی تاخیر میں یہ ظلم ڈھایا غصے کے مارے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ زمرد یا یاقوت یا کسی اور چیز کی تھیں۔ سچ ہے جو حدیث میں ہے کہ دیکھنا سننا برابر نہیں۔ [1] اپنی قوم پر غصے ہو کر الواح ہاتھ سے گرا دیں۔ ٹھیک بات یہی ہے اور جمہور سلف کا قول بھی یہی ہے لیکن ابن جریر نے قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے جس کی سند بھی صحیح نہیں۔ [2] ابن عطیہ وغیرہ نے اس کی بہت تردید کی ہے اور وہ واقعی تردید کے قابل بھی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قتادہ نے یہ اہل کتاب سے لیا ہو اور ان کا کیا اعتبار ہے؟ ان میں جھوٹے' بناوٹ کرنے والے گھڑ لینے والے بددین بے دین طرح کے لوگ ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں باز رکھنے کی پوری کوشش نہ کی ہو آپ نے ان کے سر کے بالوں کے بل انہیں گھسیٹ لیا اور فرمانے لگے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی تو نے میری ماتحتی میں انہیں کیوں نہ روکا؟ کیا تو بھی میرے فرمان کا منکر بن گیا؟ اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھائی جان میرے سر کے اور داڑھی کے بال نہ پکڑیں میں نے تو ہر ممکن

---

[1] **[صحیح** : مستدرك حاكم (۲/ ۳۲۱) مسند احمد (۱/ ۲۷۱) صحيح ابن حبان (۶۲۱۳)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (۱۸۴۲)] شیخ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح الجامع الصغير (۵۳۷۴)]

[2] **[باطل** : تفسير ابن جرير الطبرى (۱۵۱۴۲ - ۱۵۱۴۳)]

طریقے سے انہیں روکا زیادہ اس لئے نہ الجھا کہیں آپ یہ نہ فرمادیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی؟ تو نے میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ ورنہ میں تو ان گمراہوں سے اب تک زمین کو پاک کر چکا ہوتا۔ انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ میرے قتل کے درپے ہوگئے' آپ مجھے ان ہی کی طرح نہ سمجھیں نہ ان میں ملائیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اے میرے ماں جائے بھائی' یہ صرف اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رحم آجائے۔ ماں باپ دونوں کے ایک ہی تھے۔ جب آپ کو اپنے بھائی ہارون کی برأت کی تحقیق ہوگئی اور اللہ کی طرف سے بھی ان کی پاک دامنی اور بے قصوری معلوم ہوگئی کہ انہوں نے اپنی قوم سے پہلے ہی یہ فرمادیا تھا کہ افسوس تم فتنے میں پڑ گئے اب بھی کچھ نہیں بگڑا پروردگار بڑا ہی رحیم وکریم ہے تم میری مان لو اور پھر سے میرے تابع دار بن جاؤ تو آپ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے واقعی دیکھنے والے میں اور خبر سننے والے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ قوم کی گمراہی کی خبر سنی تو تختیاں ہاتھ سے نہ گرائیں لیکن اسی منظر کو دیکھ کر قابو میں نہ رہے تختیاں پھینک دیں۔ [1]

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾

یقیناً جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا ان پر ان کے رب کا غضب نازل ہوگا ہی اور دنیا کی زندگی کی رسوائی بھی' ہم اسی طرح جھوٹ باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں ○ ہاں جو لوگ برائیاں کرنے کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو بیشک تیرا رب اس کے بعد بھی بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

بطور سزا ایک دوسرے کا قتل: ان گوسالہ پرستوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ جب تک ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرلیا ان کی توبہ قبول نہ ہوئی جیسا کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل وار بیان ہو چکا ہے کہ انہیں حکم ہوا تھا کہ اپنے خالق سے توبہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہی تمہارے حق میں ٹھیک ہے پھر وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم وکرم والا ہے۔ اسی طرح دنیا میں بھی ان یہودیوں پر ذلت نازل ہوئی۔ ہر بدعتی کی جو اللہ کے دین میں جھوٹا طوفان اٹھائے یہی سزا ہے۔ رسول کی مخالفت اور بدعت کا بوجھ اس کے دل سے نکل کر اس کے کندھوں پر آپڑتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں گو وہ دنیوی ٹھاٹھ رکھتا ہو لیکن ذلت اس کے چہرے پر برستی ہے۔ قیامت تک یہی سزا ہر جھوٹے افترا باز کی اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ حضرت سفیان

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۲۷۱/۱) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۹۹۸/۵) بزار فی کشف الاستار (۲۰۰) ابن حبان (۶۲۱۴/۱۴) طبرانی کبیر (۱۲۴۵۱/۱۲) ابن عدی فی الکامل (۲۵۹۶/۷) مستدرك حاکم (۳۸۰/۲) خطیب بغدادی فی موضع اوھام الجمع و التفریق (۵۳۰/۱)] امام حاکم ؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔]

بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے۔

پھر فرمایا ہے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے خواہ کیسا ہی گناہ ہو لیکن توبہ کے بعد وہ معاف فرما دیتا ہے گو کفر وشرک اور نفاق وشقاق ہی کیوں نہ ہو۔ فرمان ہے کہ جو لوگ برائیوں کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لائیں تو اے رسول رحمت اور اے نبی کریم تیرا رب اس فعل کے بعد بھی غفور ورحیم ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کاری کرے پھر اس سے نکاح کر لے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی کوئی دس مرتبہ اسے تلاوت کیا اور کوئی حکم یا منع نہیں کیا۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ
لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝

جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ ٹھنڈا ہوا اس نے تختیاں اٹھا لیں، ان میں جو لکھا ہوا تھا وہ ہدایت ورحمت تھی ان کے لیے جو اپنے پروردگار سے خوف کھاتے رہتے ہیں ○

جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم پر جو غصہ تھا جب وہ جاتا رہا تو سخت غصے کی حالت میں جن تختیوں کو انہوں نے زمین پر ڈال دیا تھا اب اٹھا لیں۔ یہ غصہ صرف اللہ کی راہ میں تھا کیونکہ آپ کی قوم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ ان تختیوں میں ہدایت ورحمت تھی۔ کہتے ہیں کہ جب کلیم اللہ نے تختیاں زمین پر ڈال دیں تو وہ ٹوٹ گئیں پھر انہیں جمع کیا۔ تو ان میں رہبری اور رحم پایا اور تفصیل اٹھا لی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان تختیوں کے ٹکڑے شاہی خزانوں میں بنی اسرائیل کے پاس دولت اسلامیہ کے ابتدائی زمانے تک محفوظ رہے واللہ اعلم۔ اس کی صحت کا کوئی پتہ نہیں حالانکہ یہ بات مشہور ہے کہ وہ تختیاں جنتی جوہر کی تھیں اور اس آیت میں ہے کہ پھر حضرت موسیٰ نے خود ہی انہیں اٹھا لیا اور ان میں رحمت وہدایت پائی چونکہ رہبت متضمن ہے خشوع وخضوع کو اس لیے اسے لام سے متعدی کیا۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ان میں آپ نے لکھا دیکھا کہ ایک امت تمام امتوں سے بہتر ہوگی جو لوگوں کے لیے قائم کی جائے گی جو بھلی باتوں کا حکم کرے گی اور برائیوں سے روکے گی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو یہی امت بنا دے جواب ملا کہ یہ امت امت احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو دنیا میں سب سے آخر آئے گی اور جنت میں سب سے پہلے جائے گی تو بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جن کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی جس کی وہ تلاوت کریں گے یعنی حفظ کریں گے اور دوسرے لوگ دیکھ کر پڑھتے ہیں۔ اگر ان کی کتابیں اٹھ جائیں تو علم جاتا رہے کیونکہ انہیں حفظ نہیں۔ اس طرح کا حافظہ اسی امت کے لیے مخصوص ہے۔ کسی اور امت کو نہیں ملا۔ اس پر بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا۔ پھر دیکھا کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ ایک امت ہوگی جو اگلی پچھلی تمام کتابوں پر ایمان لائے گی اور گمراہوں سے جہاد کرے گی یہاں تک کہ کانے دجال سے جہاد کرے گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی

جواب پایا۔ پھر دیکھا کہ ایک امت ہوگی جو اپنے صدقے آپ کھائے گی اور اجر بھی پائے گی حالانکہ اور امتیں جو صدقہ کرتی رہیں اگر قبول ہوا تو آگ آ کر اسے کھا گئی اور اگر نامقبول ہوا تو اسے درندوں پرندوں نے کھا لیا۔ اللہ نے تمہارے صدقے تمہارے مالداروں سے تمہارے مفلسوں کے لئے لیے ہیں۔ اس پر بھی کلیم اللہ علیہ السلام نے یہی دعا کی اور یہی جواب ملا۔ پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو اگر نیکی کا ارادہ کرلے پھر نہ کرے تو بھی نیکی لکھ لی جائے گی اور اگر کر بھی لی تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی سات سو تک اسی طرح بڑھتی چلی جائیں گی اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر ان تختیوں میں آپ نے پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو خود بھی شفاعت کرے گی اور ان کی شفاعت دوسرے بھی کریں گے آپ نے پھر یہی دعا کی کہ اے اللہ یہ مرتبہ میری امت کو دے۔ جواب ملا یہ امت امت احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس پر آپ نے تختیاں لے لیں اور کہنے لگے اے اللہ مجھے امت احمد میں کر دے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ

موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ہمارے وعدے کی حاضری کے لیے ستر شخص چھانٹ لیے۔ پھر جب انہیں زلزلے نے پکڑ لیا تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر تیری یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا ہم میں سے بعض احمق لوگوں کے کیے ہوئے کاموں پر کیا تو ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ حادثہ تو صرف تیری طرف کا ایک امتحان ہے اس سے جسے تو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت پر لے آئے، تو ہی ہمارا کارساز ہے پس ہمارے قصور معاف فرما اور ہم پر مہربانی فرما تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے ○ تو ہمارے لیے اس دنیا کی بہتری لکھ دے اور آخرت کی بھی ہم سب تیری طرف رجوع کر رہے ہیں ○

موسیٰ علیہ السلام ستر افراد کے ہمراہ کوہ طور پر: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب فرمان الٰہی اپنی قوم میں سے ستر شخصوں کو منتخب کیا اور جناب باری سے دعائیں مانگنا شروع کیں۔ لیکن یہ لوگ اپنی دعا میں حد سے تجاوز کر گئے کہنے لگے اللہ تو ہمیں وہ دے جو نہ ہم سے پہلے کسی کو دیا ہو نہ ہمارے بعد کسی کو دے۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اور ان پر بھونچال آ گیا۔ [1] جس سے گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں انہیں لے کر آپ اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی معذرت کرنے کے لیے گئے تھے یہاں جب وہ پہنچے تو

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٧٤)]

کہنے لگے ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں گے۔ ہم کلام سن رہے ہیں لیکن دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر کڑاکے کی آواز ہوئی اور یہ سب مر کھپ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رونا شروع کیا کہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ان کے یہ بہترین لوگ تھے اگر یہی منشاء تھی تو اس سے پہلے ہی ہمیں ہلاک کر دیا ہوتا۔ [1] امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انہیں اس بت پرستی سے توبہ کرنے کے لیے بطور وفد کے آپ لے چلے تھے۔ ان سے فرما دیا تھا کہ پاک صاف ہو جاؤ پاک کپڑے پہن لو اور روزے سے چلو یہ اللہ کے بتائے ہوئے وقت پر طور سینا پہنچے۔ مناجات میں مشغول ہوئے تو انہوں نے خواہش کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام سنیں آپ نے دعا کی جب حسب عادت بادل آیا اور موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے اور بادل میں چھپ گئے قوم سے فرمایا تم بھی قریب آ جاؤ یہ بھی اندر چلے گئے اور حسب عادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا جو اللہ کے کلام کے وقت برابر چمکتا رہتا تھا اس وقت کوئی انسان آپ کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا آپ نے حجاب کر لیا لوگ سجدے میں گر پڑے اور اللہ کا کلام شروع ہوا جو یہ لوگ سن رہے تھے کہ فرمان ہو رہا ہے' یہ نہ کرو غیرہ۔ جب باتیں ہو چکیں اور ابر اٹھ گیا تو ان لوگوں نے کہا ہم تو جب تک اللہ کو خوب ظاہر نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر کڑاکا نازل ہوا اور سب کے سب ایک ساتھ مر گئے موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے اور مناجات شروع کر دی اس میں یہاں تک کہا کہ اگر ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کیا ہوتا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اور شبر شبیر کو لے کر پہاڑ کی گھاٹی میں گئے۔ ہارون ایک بلند جگہ کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی جب آپ واپس بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ چونکہ آپ کے بھائی بڑے ملنسار اور نرم آدمی تھے آپ نے ہی انہیں الگ لے جا کر قتل کر دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے ستر آدمی چھانٹ کر میرے ساتھ کر دو انہوں نے کر دیئے جنہیں لے کر آپ گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی لاش سے پوچھا کہ آپ کو کس نے قتل کیا؟ اللہ کی قدرت سے وہ بولے کسی نے نہیں بلکہ میں اپنی موت مرا ہوں انہوں نے کہا بس موسیٰ اب سے آپ کی نافرمانی ہرگز نہ کی جائے گی اسی وقت زلزلہ آیا جس سے وہ سب مر گئے اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے دائیں بائیں گھومنے لگے اور وہ عرض کرنے لگے جو قرآن میں مذکور ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا قبول کر لی ان سب کو زندہ کر دیا اور بعد میں وہ سب انبیاء بنے [2] لیکن یہ اثر بہت ہی غریب ہے اس کا ایک راوی عمارہ بن عبد غیر معروف ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان پر اس زلزلے کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ بچھڑے کی پرستش کے وقت خاموش تھے ان پجاریوں کو روکتے نہ تھے اس قول کی دلیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان بالکل ٹھیک اترتا ہے کہ اے اللہ ہم میں سے چند بیوقوفوں کے فعل کی وجہ سے تو ہمیں ہلاک کر رہا ہے؟ پھر فرماتے ہیں یہ تو تیری طرف کی آزمائش ہی ہے تیرا حکم چلتا ہے اور تیری ہی چاہت کامیاب ہے۔ ہدایت و ضلالت تیرے ہی ساتھ ہے جس کو تو ہدایت دے اسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جسے تو بہکائے اس کی کوئی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۷۳/۶)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۷۴/۶)]

رہبری نہیں کر سکتا۔ تو جس سے روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے دے دے اس سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ ملک کا مالک تو اکیلا' حکم کا حاکم صرف تو ہی۔ خلق وامر تیرا ہی ہے۔ تو ہمارا ولی ہے' ہمیں بخش ہم پر رحم فرما' تو سب سے اچھا معاف فرمانے والا ہے۔ غفر کے معنی ہیں چھپا دینا اور پکڑ نہ کرنا جب رحمت بھی اس کے ساتھ مل جائے تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ آئندہ اس گناہ سے بچاؤ ہو جائے۔ گناہوں کا بخش دینے والا صرف تو ہی ہے۔ پس جس چیز سے ڈر تھا اس کا بچاؤ کرنے کے بعد اب مقصود حاصل کرنے کے لئے دعا کی جاتی ہے کہ ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اسے ہمارے نام لکھ دے واجب وثابت کر دے۔ حسنہ کی تفسیر سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں' رغبت ہماری تیری ہی جانب ہے' ہماری توبہ اور عاجزی تیری طرف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چونکہ انہوں نے ﴿ هُدْنَا ﴾ کہا تھا اس لئے انہیں یہودی کہا گیا ہے لیکن اس روایت کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔

قَالَ عَذَابِيْ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۤءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ١٥٦

جناب باری کا ارشاد ہوا کہ میں اپنے عذاب تو صرف انہیں ہی پہنچاتا ہوں جنہیں چاہوں' ہاں میری رحمت نے تمام چیزوں کو سما لیا ہے' پس میں اسے خصوصیت کے ساتھ ان کے نام لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کریں زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور جو ہماری آیتوں پر یقین اور ایمان رکھیں ○

رحمت باری تعالیٰ کی وسعت: چونکہ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ یہ محض تیری طرف سے آزمائش ہے اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ عذاب تو صرف گنہگاروں کو ہی ہوتا ہے اور گنہگاروں میں سے بھی انہی کو جو میری نگاہ میں گنہگار رہیں نہ کہ ہر گنہگار کو۔ میں اپنی حکمت عدل اور پورے علم کے ذریعے سے جانتا ہوں کہ مستحق عذاب کون ہے؟ صرف اسی کو عذاب پہنچاتا ہوں۔ ہاں البتہ میری رحمت بڑی وسیع چیز ہے جو سب کو شامل' سب پر حاوی اور سب پر محیط ہے۔ چنانچہ عرش کے اٹھانے والے اور اس کے اردگرد رہنے والے فرشتے فرماتے رہتے ہیں کہ اے رب تو نے اپنی رحمت اور اپنے علم سے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی آیا اونٹ بٹھا کر اسے باندھ کر نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہو گیا نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کو کھول کر اس پر سوار ہو کر اونچی آواز سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کر اور اپنی رحمت میں کسی اور کو ہم دونوں کا شریک نہ کر۔ آپ یہ سن کر فرمانے لگے بتاؤ یہ خود راہ گم کردہ ہونے میں بڑھا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا بھی اس نے کیا کہا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن لیا آپ نے فرمایا اے شخص تو نے اللہ کی بہت ہی کشادہ رحمت کو بہت تنگ چیز سمجھ لیا سن اللہ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے صرف ایک حصہ مخلوق میں اتارا جو تمام مخلوق میں تقسیم ہوا یعنی انسان حیوان جنات سب میں اور ننانوے حصے اپنے لئے باقی رکھے۔ لوگو بتاؤ یہ زیادہ

راہ بہکا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ [۱] مسند کی اور حدیث میں ہے اللہ عزوجل نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے صرف ایک ہی حصہ دنیا میں اتارا اسی سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کرتی ہے۔ اسی سے حیوان بھی اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں باقی ننانوے حصے تو اس کے پاس ہی ہیں جن کا اظہار قیامت کے دن ہوگا [۲] اور روایت میں ہے کہ بروز قیامت اسی ایک حصے کے ساتھ اور ننانوے حصے جو موخر ہیں ملا دیئے جائیں گے [۳] ایک اور روایت میں ہے کہ اسی نازل کردہ ایک حصے میں پرند بھی شریک ہیں۔ [۴] طبری میں ہے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو اپنے دین میں فاجر ہے جو اپنی معاش میں احمق ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔ اس کی قسم جو میری جان اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے وہ بھی جنت میں جائے گا جو مستحق جہنم ہوگا۔ اس کی قسم جس کے قبضے میں میری روح ہے قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے کرشمے دیکھ کر ابلیس بھی امیدوار ہو کر ہاتھ پھیلا دے گا۔ [۵] یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کا راوی سعد غیر معروف ہے۔ پس میں اپنی اس رحمت کو ان کے لئے واجب کردوں گا اور یہ بھی محض اپنے فضل وکرم سے۔ جیسے فرمان ہے تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کرلیا ہے۔ [۶] پس جن پر رحمت رب واجب ہوجائے گی ان کے جو اوصاف بیان فرمائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے امت محمد (ﷺ) ہے جو تقویٰ کریں یعنی شرک سے اور کبیرہ گناہوں سے بچیں زکوۃ دیں یعنی اپنے ضمیر کو پاک رکھیں اور مال کی زکوۃ بھی ادا کریں (کیونکہ یہ آیت مکی ہے) اور ہماری آیتوں کو مان لیں ان پر ایمان لائیں اور انہیں سچ سمجھیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ

---

۱ [ضعیف: مسند احمد (۴/۳۱۲) ابوداؤد: کتاب الادب: باب من لیست له غیبة (۴۸۸۵) طبرانی کبیر (۲/۱۶۶۷) المزی فی تهذیب الکمال (۳۴/۷۴۷۲) مستدرک حاکم (۴/۲۴۸)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند اضطراب کی وجہ سے ضعیف ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (۱۸۷۹۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں جہالت ہے۔]

۲ [صحیح: صحیح مسلم: کتاب التوبة: باب فی سعة رحمة الله تعالی (۲۷۵۳) مسند احمد (۵/۴۳۹)]

۳ [صحیح: صحیح مسلم: کتاب التوبة: باب فی سعة رحمة الله تعالی (۲۷۴۲)]

۴ [صحیح: ابن ماجه: کتاب الزهد: باب ما یرجی من رحمة الله تعالی یوم القیامة (۴۲۹۴) مسند احمد (۳/۵۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه، السلسلة الصحیحة (۱۶۳۴)]

۵ [ضعیف: طبرانی کبیر (۳۰۲۲) مجمع الزوائد (۱۰/۲۱۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت حماد بن ابی سلیمان اور تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

۶ [سورہ الانعام: آیت ۱۲]

الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ع

جو اس پیغمبر نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کے اوصاف اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں جو انہیں اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی عزت اور مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی کامیاب نجات یافتہ ہیں ○

یہود ونصاریٰ کی کتب میں خاتم الانبیاء کے تذکرے: سابقہ کتابوں میں آخری پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کے جو اوصاف بیان ہوئے تھے جس سے ان نبیوں کی امت آپ کو پہچان جائے وہ بیان ہو رہے ہیں سب کو حکم تھا کہ ان صفات کا پیغمبر اگر تمہارے زمانہ میں ظاہر ہو تو تم اس کی تابعداری میں لگ جانا۔ مسند احمد میں ہے ایک صاحب فرماتے ہیں میں کچھ خرید وفروخت کا سامان لے کر مدینے آیا جب اپنی تجارت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا اس شخص سے بھی مل لوں میں چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا آپ ایک یہودی عالم کے گھر گئے اس کا نوجوان تنومند بیٹا نزع کی حالت میں تھا اور وہ اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھے اس کی قسم جس نے یہ تورات نازل فرمائی ہے کیا میری صفت اور میرے مبعوث ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا۔ اسی وقت اس کا بچہ بول اٹھا کہ اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے ہم آپ کی صفات اور آپ کے آنے کا پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں اور میری تہ دل سے گواہی ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اس یہودی کو اپنے بھائی کے پاس سے ہٹاؤ پھر آپ ہی اس کے کفن دفن کے والی بنے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ (1)

مستدرک حاکم میں ہے حضرت ہشام بن عاص اموی فرماتے ہیں کہ میں اور ایک صاحب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت اسلام دینے کے لئے روانہ ہوئے غوطہ دمشق پہنچ کر ہم جبلہ بن ایہم غسانی کے گھر گئے اس نے اپنا قاصد بھیجا کہ ہم اس سے باتیں کر لیں۔ ہم نے کہا واللہ ہم تم سے کوئی بات نہ کریں گے ہم بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں اگر وہ چاہیں تو ہم سے خود سنیں اور خود جواب دیں ورنہ ہم قاصدوں سے گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔ قاصدوں نے یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی اس نے اجازت دی اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا چنانچہ میں نے اس سے باتیں کیں اور اسلام

---

(1) **[ضعیف:** مسند احمد (۵/۴۱۱) مجمع الزوائد (۸/۲۳۴)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ابو صخر عقیلی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۲۳۴۹۲)]

کی دعوت دی۔ وہ اس وقت سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا کہنے لگا کہ دیکھ میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے اور حلف اٹھایا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں گا اس سیاہ لبادے کو نہ اتاروں گا قاصد اسلام نے یہ سن کر پھر کہا بادشاہ ہوش سنبھالو اللہ کی قسم یہ آپ کے تخت کی جگہ اور آپ کے بڑے بادشاہ کا پائے تخت بھی ان شاء اللہ ہم اپنے قبضے میں کر لیں گے۔ یہ کوئی ہماری ہوس نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ سے ہمیں یہ پختہ خبر مل چکی ہے۔ اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں ہاں ہم سے ہمارا یہ تخت و تاج وہ قوم چھینے گی جو دنوں کو روزے سے رہتے ہوں اور رات کو تہجد پڑھتے ہوں۔ اچھا تم بتاؤ تمہارے روزے کے احکام کیا ہیں؟ اب جو ہم نے بتائے تو اس کا منہ کالا ہو گیا۔ اس نے اسی وقت ہمارے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا اور کہا انہیں شاہ روم کے پاس لے جاؤ۔ جب ہم اس کے ساتھ پائے تخت کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا تم اس حال میں تو اس شہر میں نہیں جا سکتے اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے عمدہ سواریاں لا دوں ان پر سوار ہو کر تم شہر میں چلو ہم نے کہا ناممکن ہے ہم تو اسی حالت میں انہی سواریوں پر چلیں گے انہوں نے بادشاہ سے کہلوا بھیجا وہاں سے اجازت آئی کہ اچھا انہیں اونٹوں پر ہی لے آؤ ہم اپنے اونٹوں پر سوار گلے میں تلواریں لٹکائے شاہی محل کے پاس پہنچے وہاں ہم نے اپنی سواریاں بٹھائیں بادشاہ دریچے میں سے ہمیں دیکھ رہا تھا ہمارے منہ سے بے ساختہ ﴿ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ﴾ کا نعرہ نکل گیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اسی وقت شاہِ روم کا محل تھرا اٹھا اس طرح جس طرح کسی خوشے کو تیز ہوا کا جھونکا ہلا رہا ہو اسی وقت محل سے شاہی قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا آپ کو یہ نہیں چاہیے کہ اپنے دین کا اس طرح ہمارے سامنے اعلان کرو چلو تم کو بادشاہ سلامت یاد کر رہے ہیں چنانچہ ہم اس کے ساتھ دربار میں گئے دیکھا کہ چاروں طرف سرخ مخمل اور سرخ ریشم ہے خود بھی سرخ لباس پہنے ہوئے ہے تمام دربار پادریوں اور ارکان سلطنت سے بھرا ہوا ہے۔ جب ہم پاس پہنچ گئے تو مسکرا کر کہنے لگا جو سلام تم میں آپس میں مروج ہے تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہ کیا؟ ترجمان کی معرفت ہمیں بادشاہ کا یہ سوال پہنچا تو ہم نے جواب دیا کہ جو سلام ہم میں ہے اس کے لائق تم نہیں اور جو آداب کا دستور تم میں ہے وہ ہمیں پسند نہیں۔ اس نے کہا اچھا تمہارا اسلام آپس میں کیا ہے؟ ہم نے کہا السلام علیکم اس نے کہا اپنے بادشاہ کو تم کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا صرف ان ہی الفاظ سے۔ پوچھا اچھا وہ بھی تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں ہم نے کہا یہی الفاظ وہ کہتے ہیں۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں سب سے بڑا کلمہ کون سا ہے؟ ہم نے کہا ﴿ لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ﴾ اللہ عزوجل کی قسم ادھر ہم نے یہ کلمہ کہا ادھر پھر سے محل میں زلزلہ پڑا یہاں تک کہ سارا دربار چھت کی طرف نظریں کر کے سہم گیا۔ بادشاہ ہیبت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کیوں جی اپنے گھروں میں بھی جب کبھی تم یہ کلمہ پڑھتے ہو تمہارے گھر بھی اسی طرح زلزلے میں آجاتے ہیں؟ ہم نے کہا کبھی نہیں ہم نے تو یہ بات یہیں آپ کے ہاں ہی دیکھی ہے بادشاہ کہنے لگا کاش کہ تم جب کبھی اس کلمے کو کہتے تمام چیزیں اسی طرح ہل جاتیں اور میرا آدھا ملک ہی رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ یہ آسان تھا بہ نسبت اس بات کے کہ یہ امر نبوت ہو۔ پھر اس نے ہمارا ارادہ دریافت کیا ہم نے صاف بتایا۔ اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم نماز کس

طرح پڑھتے ہو اور روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ ہم نے دونوں باتیں بتا دیں اس نے اب ہمیں رخصت کیا اور بڑے اکرام و احترام سے ہمیں شاہی معزز مہمانوں میں رکھا۔ تین دن جب گذرے تو رات کے وقت ہمیں قاصد بلانے آیا ہم پھر دربار میں گئے تو اس نے ہم سے پھر ہمارا مطلب پوچھا ہم نے اسے دوہرایا پھر اس نے ایک حویلی کی شکل کی سونا مڑھی ہوئی ایک چیز منگوائی جس میں بہت سارے مکانات تھے اور ان کے دروازے تھے اس نے اسے کنجی سے کھول کر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی جامہ نکالا ہم نے دیکھا کہ اس میں ایک شخص ہے جس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں بڑی رانیں ہیں۔ بڑی لمبی اور گھنی داڑھی ہے اور سر کے بال دو حصوں میں نہایت خوبصورت لمبے ہیں اس نے ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بال بہت ہی تھے۔ پھر دوسرا دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ ریشم کا پارچہ نکالا جس میں ایک سفید صورت تھی جس کے گھنگریالے بال تھے سرخ رنگ آنکھیں تھیں بڑے کلے کے آدمی تھے اور بڑی خوش وضع داڑھی تھی اس نے ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک شخص تھا نہایت ہی گورا چٹا رنگ' بہت خوبصورت آنکھیں' کشادہ پیشانی' لمبے رخسار' سفید داڑھی' یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ مسکرا رہے ہیں اس نے ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر ایک دروازہ کھولا اس میں سے ایک خوبصورت سفید شکل دکھائی دی جو ہو بہو رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا یہ حضرت محمد ﷺ ہیں اور ہمارے آنسو نکل آئے۔ بادشاہ اب تک کھڑا ہوا تھا اب وہ بیٹھ گیا' اور ہم سے دوبارہ پوچھا کہ یہی شکل حضور ﷺ کی ہے ہم نے کہا واللہ یہی ہے اسی طرح کہ گویا تو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی میں دیکھ رہا ہے۔ پس وہ تھوڑی دیر تک تو غور سے اسے دیکھتا رہا پھر ہم سے کہنے لگا کہ یہ آخری گھر تھا لیکن میں نے اور گھروں کو چھوڑ کر اسے بیچ میں ہی کھول دیا کہ تمہیں آزمالوں کہ تم پہچان جاتے ہو یا نہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے بھی سیاہ رنگ ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں نرمی والی صورت تھی۔ بال گھنگھریالے' آنکھیں گہری نظر میں تیز تیور تیکھے دانت پر دانت ہونٹ موٹے ہو رہے تھے جیسے کہ غصے میں بھرے ہوئے ہیں اس نے ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا بادشاہ نے کہا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اسی کے متصل ایک اور صورت تھی جو قریب قریب اسی کی سی تھی۔ مگر ان کے سر کے بال گویا تیل لگے ہوئے تھے۔ ماتھا کشادہ تھا' آنکھوں میں کچھ فراخی تھی اس ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہمارے انکار پر کہا یہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید رنگ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں رنگ میانہ قد سیدھے بالوں والا ایک شخص تھا گویا وہ غضبناک ہے اس نے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہا یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید ریشمی کپڑا نکال کر دکھایا جس میں سنہرے رنگ کے ایک آدمی تھے جن کا قد طویل نہ تھا رخسار ہلکے تھے چہرہ خوبصورت تھا اس نے ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس

میں سے سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا اس میں جو صورت تھی وہ پہلی صورت کے بالکل مشابہ تھی مگر ان کے ہونٹ پر تل تھا اس نے ہم سے پوچھا اسے پہچان لیا؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک شکل تھی سفید رنگ' خوبصورت اونچی ناک والے نورانی چہرے والے' جس میں خوف الٰہی ظاہر تھا رنگ سرخی مائل تھا پوچھا اس نے انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑے کا ٹکڑا نکال کر دکھایا جس میں ایک صورت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی صورت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور چہرہ تو سورج کی طرح روشن تھا' اس نے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشم کا پارچہ نکال کر ہمیں دکھایا جس میں ایک صورت تھی سرخ رنگ بھری پنڈلیاں' کشادہ آنکھیں' اونچا پیٹ' قدرے چھوٹا قد' تلوار لٹکائے ہوئے۔ اس نے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہا یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشم کا کپڑا نکالا جس میں ایک صورت تھی موٹی رانوں والی لمبے پیروں والی' گھوڑے پر سوار۔ اس نے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے سیاہ رنگ حریری پارچہ نکالا جس میں ایک صورت تھی۔ سفید رنگ' نوجوان' سخت سیاہ داڑھی' بہت زیادہ بال' خوشنما آنکھیں' خوبصورت چہرہ۔ اس نے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم ہیں۔ ہم نے پوچھا آپ کے پاس یہ صورتیں کہاں سے آئیں؟ یہ تو ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ تمام انبیاء کی اصلی صورتوں کے بالکل ٹھیک نمونے ہیں۔ کیونکہ ہم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کو بالکل ٹھیک اور درست پایا۔ بادشاہ نے جواب دیا بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رب العزت سے دعا کی کہ آپ کی اولاد میں سے جو انبیاء علیہم السلام ہیں وہ سب آپ کو دکھائے جائیں پس ان کی صورتیں آپ پر نازل ہوئیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے خزانے میں جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر تھا' محفوظ تھیں ذوالقرنین نے وہاں سے لے لیں اور حضرت دانیال کو دیں۔ پھر بادشاہ کہنے لگا کہ میں تو اس پر خوش ہوں کہ اپنی بادشاہی کو چھوڑ دوں میں اگر غلام ہوتا تو تمہارے ہاتھوں بک جاتا اور تمہاری غلامی میں اپنی پوری زندگی بسر کرتا۔ پھر اس نے ہمیں بہت کچھ تحفے تحائف دے کر اچھی طرح رخصت کیا۔ جب ہم خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور یہ سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو دیئے اور فرمانے لگے اس مسکین کے ساتھ اللہ کی توفیق رفیق ہوتی تو یہ ایسا کر گزرتا۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ نصرانی اور یہودی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اپنی کتابوں میں برابر پاتے ہیں۔ [1] یہ روایت امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب دلائل النبوہ میں بھی ہے۔ اس کی اسناد بھی خوف و خطر سے خالی ہے۔ حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفتیں تورات میں ہوں وہ مجھے بتاؤ تو انہوں نے فرمایا ہاں واللہ آپ کی صفتیں

---

[1] [بیهقی فی دلائل النبوة (١/ ٣٨٥ـ ٣٩٠)]

تورات میں ہیں جو قرآن میں بھی ہیں کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا اور ان پڑھوں کو گمراہی سے بچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں' آپ کا نام متوکل ہے' آپ بدگو اور بدخلق نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قبض نہ کرے گا جب تک کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی زبان سے ﴿لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰــهُ﴾ کہلوا کر ٹیڑھے دین کو درست نہ کردے۔ بند دلوں کو کھول نہ دے' بہرے کانوں کو سننے والا نہ بنا دے' اندھی آنکھوں کو دیکھتی نہ کردے۔ یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے۔ [1] حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں پھر میں حضرت کعب رحمہ اللہ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا ایک حرف کی بھی کمی بیشی دونوں صاحبوں کے بیان میں نہ تھی یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنی لغت میں دونوں کے الفاظ بولے۔ بخاری شریف کی اس روایت میں اس ذکر کے بعد کہ آپ بدخلق نہیں یہ بھی ہے کہ آپ بازاروں میں شور غل کرنے والے نہیں' آپ برائی کے بدلے برائی کرنے والے نہیں بلکہ معافی اور درگذر کرنے والے ہیں۔ [2] عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ذکر کے بعد ہے کہ سلف کے کلام میں عموماً تورات کا لفظ اہل کتاب کی کتابوں پر بولا جاتا ہے۔ اس کے مشابہ اور بھی روایتیں ہیں واللہ اعلم۔ طبرانی میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ میں تجارت کی غرض سے شام میں گیا وہاں میری ملاقات اہل کتاب کے ایک عالم سے ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی تم میں ہوئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں' اس نے کہا اگر تمہیں ان کی صورت دکھائیں تو تم پہچان لو گے؟ میں نے کہا ضرور چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی صورتیں تھیں لیکن ان میں میری نگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی شبیہ نہ آئی' اسی وقت ایک اور عالم آیا ہم سے پوچھا کیا بات ہے؟ جب اسے ساری بات معلوم ہوئی تو وہ ہمیں اپنے مکان لے گیا وہاں جاتے ہی میری نگاہ آپ کی شبیہ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ گویا کوئی آپ کے پیچھے ہی آپ کو تھامے ہوئے ہے' میں نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا یہ دوسرے صاحب پیچھے کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جو نبی آیا اس کے بعد بھی نبی آیا لیکن اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں اس کے پیچھے کا یہ شخص اس کا خلیفہ ہے۔ اب جو میں نے غور سے دیکھا تو وہ بالکل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شکل تھی۔ [3] امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے موذن اقرع کو ایک پادری کے پاس بھیجا آپ اسے بلا لائے امیر المومنین نے اس سے پوچھا بتاؤ تم میری صفت اپنی کتابوں میں پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں' کہا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرن۔ آپ نے کوڑا اٹھا کر فرمایا قرن کیا ہے؟ اس نے کہا گویا کہ وہ لوہے کا سینگ ہے وہ امیر ہے دین میں بہت سخت۔ فرمایا اچھا میرے بعد والے کی صفت کیا ہے؟

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب انا ارسلنك شاهدا (٤٨٣٨) تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٢٢٥/١٣) فتح الباری (٣٤٣/٤)]

[2] [أیضا]

[3] [ضعیف: طبرانی کبیر (١٥٣٧) والاوسط (٨٢٢٧)] امام ہیثمیؒ کے بیان کے مطابق اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (٢٣٣/٨۔ ٢٣٤)] شیخ مصطفی السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں جہالت ہے اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

اس نے کہا کہ خلیفہ تو وہ نیک صالح ہے لیکن اپنے قرابتداروں کو وہ دوسروں پر ترجیح دے گا۔ آپ نے فرمایا اللہ عثمان پر رحم کرے تین بار یہ فرمایا پھر فرمایا اچھا ان کے بعد؟ اس نے کہا لوہے کے ٹکڑے جیسا۔ حضرت عمر نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا اور افسوس کرنے لگے اس نے کہا اے امیر المومنین ہوں گے تو وہ نیک خلیفہ لیکن بنائے ہی اس وقت جائیں گے جب تلوار کھچی ہو اور خون بہہ رہا ہو (1) (ابوداود) ان کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ نیکیوں کا حکم دیں گے برائیوں سے روکیں گے۔ فی الواقع آپ ایسے ہی تھے کونسی بھلائی ہے جس کا آپ نے حکم نہ دیا ہو؟ کونسی برائی ہے جس سے آپ نے نہ روکا ہو؟ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم جب قرآن کے یہ لفظ سنو کہ اے ایمان والو تو اسی وقت ہمہ تن گوش ہو جاؤ کیونکہ یا تو کسی خیر کا تمہیں حکم کیا جائے گا یا کسی شر سے تمہیں بچایا جائے گا۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید اللہ کی وحدانیت کی تھی جس کا حکم برابر ہر نبی کو ہوتا رہا۔ قرآن شاہد ہے کہ ہر امت کے رسول کو پہلا حکم یہی ملا کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ماسوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مسند امام احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جب تم میری کسی حدیث کو سنو جسے تمہارے دل پہچان لیں تمہارے جسم اس کی قبولیت کے لئے تیار ہو جائیں اور تمہیں یہ معلوم ہو کہ وہ میرے لائق ہے تو میں اس سے بہ نسبت تمہارے زیادہ لائق ہوں اور جب تم میرے نام سے کوئی ایسی بات سنو جس سے تمہارے دل انکار کریں اور تمہارے جسم نفرت کریں اور تم دیکھو کہ وہ تم سے بہت دور ہے پس میں بہ نسبت تمہارے بھی اس سے بہت دور ہوں۔ (2) اس کی سند بہت پکی ہے۔ اس کی ایک اور روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ سے منقول کوئی حدیث سنو تو اس کے ساتھ وہ خیال کرو جو خوب راہ والا بہت مبارک اور بہت پرہیزگاری والا ہو۔ (3) پھر حضور ﷺ کی ایک صفت بیان ہو رہی ہے کہ آپ کل پاک صاف اور طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں بہت سی چیزیں ان میں ایسی تھیں جنہیں لوگوں نے از خود حرام قرار دے لیا تھا جیسے جانوروں کو بتوں کے نام کر کے نشان ڈال کر انہیں حرام سمجھنا وغیرہ اور خبیث اور گندی چیزیں آپ لوگوں پر حرام کرتے ہیں جیسے سور کا گوشت سود وغیرہ اور جو حرام چیزیں لوگوں نے از خود حلال کر لی تھیں۔ بعض علماء کا فرمان ہے

---

(1) [ضعیف: ابوداؤد: کتاب السنة: باب فی الخلفاء (٤٦٥٦) اللالکائی فی شرح اصول الاعتقاد (٢٦٥٨)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود]

(2) [حسن: مسند احمد (٥/٤٢٥)، (٣/٤٩٧) بزار (٩/٧٣١٨۔البحر الزخار) ابن حبان (١/٦٣) ابن سعد فی الطبقات (١/٢٩٥)] امام ہیثمیؒ نے اس کے راویوں کو صحیح کے راوی کہا ہے۔[مجمع الزوائد (١/١٤٩)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔[الموسوعة الحديثية (٢٣٦٠٦)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔[السلسلة الصحيحة (٧٣٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

(3) [مرسل صحیح: مسند احمد (١/١٢٢)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو صحیح مگر مرسل کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (١٠٨٠)]

کہ اللہ کی حلال کردہ چیزیں کھاؤ وہ دین میں بھی ترقی کرتی ہیں اور بدن میں بھی فائدہ پہنچاتی ہیں اور جو چیزیں حرام کردی ہیں ان سے بچو کیونکہ ان سے دین کے نقصانات کے علاوہ صحت میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چیزوں کی اچھائی برائی دراصل عقلی ہے۔ اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں لیکن یہ جگہ اس کے بیان کی نہیں اسی آیت کو زیر نظر رکھ کر بعض اور علماء نے کہا ہے کہ جن چیزوں کا حلال حرام ہونا کسی کو نہ پہنچا ہو اور کوئی آیت یا حدیث اس کے بارے میں نہ ملی ہو تو دیکھنا چاہیے کہ عرب اسے اچھی چیز سمجھتے ہیں یا اس سے کراہت کرتے ہیں اگر اسے اچھی چیز جان کر استعمال میں لاتے ہیں تو حلال ہے اور اگر بری چیز سمجھ کر نفرت کر کے اسے نہ کھاتے ہوں تو وہ حرام ہے۔ اس اصول میں بھی بہت کچھ گفتگو ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ آپ بہت صاف آسان اور سہل دین لے کر آئیں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں ایک طرف آسان دین دے کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ [1] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ یمن کا امیر بنا کر بھیجتے ہیں تو فرماتے ہیں تم دونوں خوش خبری دینا' نفرت نہ دلانا' آسانی کرنا' سختی نہ کرنا' مل کر رہنا اختلاف نہ کرنا۔ [2] آپ کے صحابی ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا ہوں اور آپ کی آسانیوں کا خوب مشاہدہ کیا ہے [3] پہلی امتوں میں بہت سختیاں تھیں لیکن پروردگار عالم نے اس امت سے وہ تمام تنگیاں دور فرما دیں۔ آسان دین اور سہولت والی شریعت انہیں عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے دلوں میں جو وسوسے گذریں ان پر انہیں پکڑ نہیں جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل میں نہ لائیں۔ [4] فرماتے ہیں میری امت کی بھول چوک اور غلطی سے اور جو کام ان سے جبراً کرائے جائیں ان سے اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھا لیا ہے۔ [5] یہی وجہ ہے کہ اس امت کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم فرمائی کہ کہو اے ہمارے پروردگار تو ہماری بھول چوک پر ہماری پکڑ نہ کر۔ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ لاد جو ہم سے پہلوں پر تھا۔ اے ہمارے

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٦/١١٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (٢٩٢٤)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب قول النبی یسرو اولا تعسروا (٦١٢٤) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب فی الامر بالتيسير و ترك التنفير (١٧٣٣)]

[3] [صحیح: مسند احمد (٤/٤٢٠، ٤٢٣) صحیح بخاری: کتاب العمل فی الصلاة: باب اذا انفلتت الدابة فی الصلاة (١٢١١)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب العتق: باب الخطاء والنسیان فی العتاقه (٢٥٢٨) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب تجاوز الله فی حدیث النفس (١٢٧) ابوداؤد: کتاب الطلاق: باب فی الوسوسة بالطلاق (٢٢٠٩) ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب من طلق فی نفسه ولم یتکلم (٢٠٤٠) ترمذی: کتاب الطلاق (١١٨٣) نسائی: کتاب الطلاق (٣٤٣٤)]

[5] [صحیح: ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب طلاق المکره والناسی (٢٠٤٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه، المشکاة (٦٢٨٤)] شیخ عبدالرزاق مہدی، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

رب ہمیں ہماری طاقت سے زیادہ بوجھل نہ کر۔ ہمیں معاف فرما' ہمیں بخش' ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا کارساز مولیٰ ہے۔ پس ہمیں کافروں پر مدد عطا فرما۔ (۱) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعائیں کیں تو ہر جملے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ قبول فرمایا۔ (۲) پس جو لوگ اس نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کا ادب عزت کریں اور جو وحی آپ پر اتری ہے اس نور کی پیروی کریں وہی دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

اعلان کر دے کہ اے لوگو میں تم سب کی جانب اس اللہ کا رسول ہوں جس کے قبضے میں آسمان و زمین کی بادشاہت ہے' جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے پس تم سب اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمی پر ایمان لاؤ جو اس پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے تم اسی کی پیروی کرو تا کہ راہ راست پاؤ ○

نبی کریم ﷺ کی بعثت ساری انسانیت کی طرف: اللہ تعالیٰ اپنے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ تمام عرب عجم' گوروں' کالوں سے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ آپ کی شرافت وعظمت ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور تمام دنیا کے لئے صرف آپ ہی نبی ہیں۔ جیسے فرمان قرآن ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ﴾ (۳) یعنی اعلان کر دے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہ ہے اس پاک قرآن کی وحی میری جانب اس لئے اتاری گئی ہے کہ میں اس سے تمہیں اور جن لوگوں تک یہ پہنچے سب کو ہوشیار کر دوں اور آیت میں ہے ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ (۴) یعنی مخلوق کے مختلف گروہوں میں سے جو بھی آپ کا انکار کرے اس کی وعدہ گاہ جہنم ہے اور آیت میں ہے ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾ (۵) یعنی اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سے کہہ دو کہ کیا تم مانتے ہو؟ اگر تسلیم کر لیں مسلمان ہو جائیں تو راہ پر ہیں ورنہ تیرے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی قرآنی آیتیں بکثرت ہیں اور حدیثیں تو اس بارے میں بے شمار ہیں۔ دین اسلام کی ذرا سی بھی سمجھ جسے ہے وہ بالیقین جانتا اور مانتا ہے کہ آپ تمام جہان کے لوگوں کی طرف رسول اللہ ہیں۔ (ﷺ) اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کچھ چشمک ہو گئی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) [سورة البقرہ: آیت ۲۸۶]

(۲) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب تجاوز الله من حدیث النفس (۱۲۶) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن (۲۹۹۲) نسائی (۷۹)]

(۳) [سورة الانعام: آیت ۱۹] (۴) [سورة ھود: آیت ۱۷] (۵) [آل عمران: ۲۰]

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو ناراض کر دیا حضرت فاروق اسی حالت میں چلے گئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ آپ معاف فرمائیں اور اللہ سے میرے لئے بخشش چاہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے بلکہ کواڑ بند کر لئے۔ آپ لوٹ کر دربار محمدی میں آئے اور اس وقت اور صحابہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھے آپ نے فرمایا تمہارے اس ساتھی نے انہیں ناراض اور غضبناک کر دیا۔ حضرت عمر حضرت صدیق رضی اللہ عنہما کی واپسی کے بعد بہت ہی نادم ہوئے اور اسی وقت دربار رسالت مآب میں حاضر ہو کر تمام بات کہہ سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار کہتے جاتے تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ ظلم تو مجھ سے سرزد ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرے ساتھی کو میری وجہ سے چھوڑتے نہیں؟ سنو جب میں نے اس آواز حق کو اٹھایا کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں تو تم نے کہا تو جھوٹا ہے لیکن اس ابوبکر نے کہا آپ سچے ہیں۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ یاد رہے کہ میں اسے فخراً نہیں کہتا میں تمام سرخ و سیاہ لوگوں کی جانب بھیجا گیا ہوں اور میری مدد مہینے بھر کے فاصلے سے صرف رعب کے ساتھ کی گئی ہے اور میرے لئے غنیمتوں کے مال حلال کر دیئے گئے ہیں حالانکہ مجھ سے پہلے وہ کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے تھے اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کے لئے حلال کر دی گئی ہے اور مجھے اپنی امت کی شفاعت عطا فرمائی گئی ہے جسے میں نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (مسند امام احمد) [2] عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے پس بہت سے صحابہ آپ کے پیچھے جمع ہو گئے کہ آپ کی چوکیداری کریں نماز کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اس رات مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے اور کسی کو نہیں دی گئیں میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں مجھ سے پہلے کے تمام رسول صرف اپنی اپنی قوم کی طرف ہی نبی بنا کر بھیجے جاتے رہے مجھے اپنے دشمنوں پر رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے گو وہ مجھ سے مہینے بھر کے فاصلے پر ہوں وہیں وہ مرعوب ہو جاتے ہیں۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیز بنا دی گئی ہے جہاں کہیں میرے امتی کو نماز کا وقت آ جائے وہ تیمم کرلے اور نماز ادا کرلے مجھ سے پہلے کے لوگ اس کی عظمت کرتے تھے سوائے ان جگہوں کے جو نماز کے لئے مخصوص تھیں اور جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مجھ سے فرمایا گیا آپ دعا کیجئے مانگئے کیا مانگتے ہیں؟ ہر نبی مانگ چکا ہے تو میں نے اپنے اس سوال کو قیامت پر اٹھا رکھا ہے پس وہ تم سب کے لئے ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو ﴿لا الــــه الا

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قل یا ایھا الناس انی رسول الله (٤٦٤٠)]

[2] [حسن: مسند احمد (١/٣٠١) ابن ابی شیبة (٧/٣١٠) طبرانی کبیر (١١/١١٠٤٧) بزار (٣٤٦٠) مجمع الزوائد (٨/٢٥٨)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (٢٧٤٢)]

اللہ ﷻ کی گواہی دے۔ [1] اس کی اسناد بہت پختہ ہے اور مسند احمد میں یہ حدیث موجود ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ میری امت میں سے جس یہودی یا نصرانی کے کان میں میرا ذکر پڑے اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جنت میں نہیں جاسکتا [2] یہ حدیث اور سند سے صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ [3] مسند احمد میں ہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرا ذکر اس امت کے جس یہودی نصرانی کے پاس پہنچے اور وہ مجھ پر اور میری وحی پر ایمان نہ لائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ [4] مسند کی ایک اور حدیث میں آپ نے ان پانچوں چیزوں کا ذکر فرمایا جو صرف آپ کو ہی ملی ہیں پھر فرمایا ہر نبی نے شفاعت کا سوال کر لیا ہے اور میں نے اپنے سوال کو چھپا رکھا ہے اور ان کے لئے اٹھا رکھا ہے جو میری امت میں سے توحید پر مرے۔ [5] یہ حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء کو نہیں دی گئیں مہینے بھر کی مسافت تک رعب سے امداد و نصرت، ساری زمین کا مسجد و طہور ہونا کہ میری امت کو جہاں وقت نماز آ جائے ادا کر لے، غنیموں کا حلال کیا جانا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں۔ شفاعت کا دیا جانا، تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا جانا۔ حالانکہ پہلے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف ہی بھیجے جاتے تھے۔ [6]

پھر فرماتا ہے کہ کہو مجھے اس اللہ نے بھیجا ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے سب چیزوں کا خالق مالک ہے جس کے ہاتھ میں ملک ہے جو مارنے جلانے پر قادر ہے جس کا حکم چلتا ہے۔ پس اے لوگو تم اللہ پر اور اس کے رسول و نبی ﷺ پر ایمان لاؤ جو ان پڑھ ہونے کے باوجود دنیا کو پڑھا رہے ہیں انہی کا تم سے وعدہ تھا اور ان ہی کی بشارت تمہاری کتابوں میں بھی ہے۔ انہیں کی صفتیں اگلی کتابوں میں ہیں۔ یہ خود اللہ کی ذات پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں۔ قول و فعل سب میں اللہ کے کلام کے مطیع ہیں۔ تم سب ان کے ماتحت اور فرمانبردار ہو جاؤ۔ انہی کے طریقے پر چلو انہی کی فرمانبرداری کرو، تم راہ راست پر آ جاؤ گے۔

---

① [صحیح: مسند احمد (۲/ ۲۲۲)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ احمد کے راوی ثقہ ہیں۔ [مجمع الزوائد (۱۰/ ۳۶۷)] امام منذریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [الترغیب (۴/ ۴۳۲)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (۷۰۶۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

② [صحیح لغیرہ: مسند احمد (۴/ ۳۹۸)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (۱۹۵۳۶)]

③ [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد (۱۵۳)]

④ [صحیح: مسند احمد (۲/ ۳۵۰) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد الی جمیع الناس و نسخ الملل بملته (۲۴۰)، (۱۵۳)]

⑤ [صحیح: مسند احمد (۴/ ۴۱۶)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (۸/ ۲۵۸)]

⑥ [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التیمم (۳۳۵) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب المساجد و مواضع الصلاۃ (۵۲۱) مسند احمد (۳/ ۳۰۴)]

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

قوم موسیٰ میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کی رہبری کرتی ہے اور حق کے ساتھ انصاف وعدل کرتی ہے ○

قوم موسیٰ میں بھی ایک جماعت حق پر: اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ امت موسیٰ میں بھی ایک گروہ حق کا ماننے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ﴾ [1] الخ' اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر قائم ہے' راتوں کو اللہ کے کلام کی تلاوت کرتی رہتی ہے اور برابر سجدے کیا کرتی ہے اور آیت میں ہے ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ [2] الخ' یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا ہے ایمان لاتے ہیں اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اللہ کی باتوں کو دنیوی نفع کی خاطر فروخت نہیں کرتے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے اور آیت میں ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ﴾ [3] الخ' جنہیں ہم نے اس قرآن سے پہلے اپنی کتاب دی ہے وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی آیتیں سن کر اپنے ایمان کا اور اس کی حقانیت کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے ہی مسلمان تھے انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر ہے اور آیت میں ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ [4] الخ' جو لوگ ہماری کتاب پائے ہوئے ہیں اور اسے حق کی ادائیگی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور فرمان ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ﴾ [5] الخ' جو لوگ پہلے علم دیئے گئے ہیں وہ ہمارے پاک قرآن کی آیتیں سن کر سجدوں میں گر پڑتے ہیں۔ ہماری پاکیزگی کا اظہار کرکے ہمارے وعدوں کی سچائی بیان کرتے ہیں۔ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے کرتے ہیں' اور عاجزی اور اللہ سے خوف کھانے میں سبقت لے جاتے ہیں امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس جگہ ایک عجیب خبر لکھی ہے کہ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب بنی اسرائیل نے کفر کیا اور اپنے نبیوں کو قتل کیا ان کے بارہ گروہ تھے ان میں سے ایک گروہ اس نالائق گروہ سے الگ رہا اللہ تعالیٰ سے معذرت کی اور دعا کی کہ ان میں اور ان گیارہ گروہوں میں تفریق کر دے۔ چنانچہ زمین میں ایک سرنگ ہوگئی یہ اس میں چلے گئے اور چین کے پرلے پار نکل گئے وہاں پر سچے سیدھے مسلمان انہیں ملے جو ہمارے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آیت ﴿وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ﴾ [6] الخ' کا یہی مطلب ہے۔ اس آیت میں جس دوسرے وعدے کا ذکر ہے یہ آخرت کا وعدہ ہے۔ کہتے ہیں اس سرنگ میں ڈیڑھ سال تک وہ چلتے رہے۔ کہتے ہیں اس قوم کے اور تمہارے درمیان ایک نہر ہے۔

---

① [آل عمران: ۱۱۳] ② [آل عمران : ۱۹۹]

③ [القصص: ۵۲، ۵۳] ④ [البقرۃ : ۱۲۱]

⑤ [الاسراء: ۱۰۴] ⑥ [الاسراء: ۱۰۷، ۱۰۹]

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ
اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ
كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ١٦٠
وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ
وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْۗـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ١٦١ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا
كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ١٦٢ ع ۲۰ ع ۱۰

ہم نے انہیں بارہ قبیلوں اور گروہ میں بانٹ دیا' اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب اس کی قوم نے اس سے پانی طلب کیا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مار دے' پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا' اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ان پر من وسلویٰ اتارا جوتھری روزی ہم نے تم کو دے رکھی ہے کھاؤ' انہوں نے ہمارا تو کوئی بگاڑ نہیں کیا ہاں بیشک اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○ اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ان سے فرمایا کہ تم اس بستی میں رہو اور جہاں جی چاہے یہاں کھاؤ پیو اور زبان سے حطۃ کہو یعنی ہمارے گناہ اتار دے اور اس دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ تو ہم تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے' نیکی کرنے والوں کو ہم زیادتی دیا کرتے ہیں ○ پھر بھی ان میں سے جو ظالم تھے انہیں جو بات کہی گئی تھی اس کے سوا انہوں نے اور بدل ڈالی پھر تو ہم نے بھی ان پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا اس لئے کہ وہ ظلم پر کمربستہ تھے ○

یہ سب آیتیں سورہ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور وہیں ان کی پوری تفسیر بھی بحمد اللہ ہم نے بیان کر دی ہے وہ سورت مدنیہ ہے اور یہ مکیہ ہے۔ ان آیتوں اور ان آیتوں کا فرق بھی مع لطافت کے ہم نے وہیں ذکر کر دیا ہے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

وقف لازم وَسْــَٔـلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ
اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ
معانقۃ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ١٦٣

ان سے اس گاؤں کا حال تو دریافت کر جو دریا کے کنارے تھا' جبکہ وہاں کے لوگ ہفتہ کے دن احکام میں حد سے گزرنے لگے جبکہ ان کی مچھلیاں ان کے پاس ان کے ہفتے والے دن تو کھلم کھلا چڑھی چلی آتی تھیں اور جس دن وہ ہفتہ نہ مناتے مچھلیاں بھی ان کے پاس نہ آتیں' ہم انہیں یوں ہی آزمانے لگے کیونکہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○

مچھلی والوں کا تذکرہ: پہلے آیت ﴿وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِی السَّبۡتِ﴾ [1] گزر چکی ہے اسی واقعہ کا تفصیلی بیان اس آیت میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے یہودیوں سے ان کے پہلے باپ دادوں کی بابت سوال کیجئے جنہوں نے اللہ کے فرمان کی مخالفت کی تھی پس ان کی سرکشی اور حیلہ جوئی کی وجہ سے ہماری اچانک پکڑ ان پر مسلط ہوئی۔ اس واقعہ کو یاد دلا تا کہ یہ بھی میری ناگہانی سزا سے ڈر کر اپنی اس ملعون صفت کو بدل دیں اور آپ کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں ہیں انہیں نہ چھپائیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح ان پر بھی ہمارے عذاب بے خبری میں برس پڑیں۔ ان لوگوں کی یہ بستی بحر قلزم کے کنارے واقع تھی جس کا نام آیلہ تھا۔ مدین اور طور کے درمیان یہ شہر تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بستی کا نام مدین تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام معتا تھا۔ یہ مدین اور عینو نا کے درمیان تھا انہیں حکم ملا کہ یہ ہفتہ کے دن کی حرمت کریں اور اس دن شکار نہ کریں، مچھلی نہ پکڑیں۔ ادھر مچھلیوں کی بحکم الٰہی یہ حالت ہوئی کہ ہفتے والے دن تو چڑھی چلی آتیں کھلم کھلا ہاتھ لگتیں تیرتی پھرتیں سب طرف سے سمٹ کر آ جاتیں اور جب ہفتہ نہ ہوتا ایک مچھلی بھی نظر نہ آتی بلکہ تلاش پر بھی ہاتھ نہ لگتی۔ یہ ہماری آزمائش تھی کہ مچھلیاں ہیں تو شکار منع اور شکار جائز ہے تو مچھلیاں ندارد۔ چونکہ یہ لوگ فاسق اور بے حکم تھے اس لئے ہم نے بھی ان کو اس طرح آزمایا آخر ان لوگوں نے حیلہ جوئی شروع کی ایسے اسباب جمع کرنے شروع کئے جو باطن میں اس حرام کام کا ذریعہ بن جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کی طرح حیلے کر کے ذرا سی دیر کے لئے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لینا۔ [2] اس حدیث کو امام ابو عبداللہ بن بطہ رحمہ اللہ لائے ہیں اور اس کی سند نہایت عمدہ ہے اس کے راوی احمد بن محمد بن مسلم کا ذکر امام خطیب رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور انہیں ثقہ کہا ہے باقی سب راوی بہت مشہور ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں ایسی بہت سی سندوں کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۙ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ قَالُوۡا مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖۤ اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَاَخَذۡنَا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍۢ بَئِيۡسٍۢ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـئِيۡنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جب ان کے ایک گروہ نے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ غارت کرنے والا ہے یا جنہیں سخت تر عذاب کرنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے ہاں کا اپنے اوپر کا الزام اتارنے کے لئے اور اس خیال سے بھی کہ

---

[1] [سورہ البقرہ: آیت ٦٥]

[2] [جزء فی الخلع وابطال الحیل (ص: ٢٤) لابی عبد الله بن بطة كما فی ارواء الغلیل (١٥٣٥)]

شاید یہ باز آ جائیں ○ آخران لوگوں نے جب وہ تمام باتیں بھلا دیں جوانہیں بطور نصیحت کے کی گئیں تھیں تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو بچا کر ان ظالموں کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں سخت بدترین عذابوں میں پھانس لیا ○ جس کام سے وہ روکے گئے تھے جب اس میں حد سے تجاوز کر گئے تو آخر ہم نے حکم دے دیا کہ تم سب ذلیل بندر بن جاؤ ○

نجات صرف برائی سے روکنے والوں کے لیے: جس بستی کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کے تین گروہ ہو گئے تھے ایک تو حرام شکار کھیلنے والا اور حیلے بہانوں سے مچھلی پکڑنے والا۔ دوسرا گروہ انہیں روکنے والا ان سے بیزاری ظاہر کر کے ان سے الگ ہو جانے والا اور تیسرا گروہ چپ چاپ رہ کر نہ اس کام کو کرنے والا نہ اس سے روکنے والا جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار بیان کر آئے ہیں۔ جو لوگ خاموش تھے نہ برائی کرتے تھے نہ بروں کو برائی سے روکتے تھے انہوں نے روکنے والوں کو سمجھانا شروع کیا کہ میاں ان لوگوں کو کہنے سننے سے کیا فائدہ؟ انہوں نے تو اللہ کے عذاب مول لے لئے ہیں رب کے غضب کے لئے تیار ہو گئے ہیں اب تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ تو اس پاک گروہ نے جواب دیا کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ اللہ کے پاس ہم معذرت خواہ ہو جائیں کہ ہم اپنا فرض برابر ادا کرتے رہے انہیں ہر وقت سمجھاتے بجھاتے رہے۔ ((معذرۃ)) ت کے پیش سے بھی ایک قرات ہے تو گویا ھذا کا لفظ یہاں مقدر مانا یعنی انہوں نے کہا یہ ہماری معذرت ہے اور زبر کی قرات پر یہ مطلب ہے کہ ہم جو انہیں روک رہے ہیں یہ کام اس لیے کر رہے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہم پر الزام نہ آئے کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کسی وقت کی نصیحت ان پر اثر کر جائے۔ یہ لوگ اپنی اس حرام کاری سے باز آ جائیں اللہ سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر مہربانی کرے اور ان کے گناہ معاف فرما دے۔ آخر کار ان کی نصیحت خیر خواہی بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ ان بدکاروں نے ایک نہ مانی تو ہم نے اس مسلم گروہ کو جو برابر ان سے نالاں رہا ان سے الگ رہا اور انہیں سمجھاتا بجھاتا رہا نجات دے دی اور باقی کے ظالموں کو جو ہماری نافرمانیوں کے مرتکب تھے اپنے بدترین عذابوں سے پکڑ لیا۔ عبارت کی عمدگی ملاحظہ ہو کہ روکنے والوں کو نجات کا کھلے لفظوں میں اعلان کیا ظالموں کی ہلاکت کا بھی غیر مشتبہ الفاظ میں بیان کیا اور چپ رہنے والوں کی حالت سے سکوت کیا گیا۔ اس لئے کہ ہر عمل کی جزا اسی کی ہم جنس ہے۔ یہ لوگ نہ تو اس ظلم عظیم میں شریک تھے کہ ان کی مذمت اعلانیہ کی جائے نہ دلیری سے روکتے تھے کہ صاف طور پر قابل تعریف ٹھہریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو گروہ ممانعت کرنے کے بعد تھک کر بیٹھ گیا اور پھر روکنا چھوڑ دیا تھا اللہ کا عذاب جب آیا تو یہ گروہ بھی اس عذاب سے بچ گیا صرف وہی ہلاک ہوئے جو گناہ میں مبتلا تھے۔ آپ کے شاگرد حضرت عکرمہ کا بیان ہے کہ پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس میں بڑا تردد تھا کہ آیا یہ لوگ ہلاک ہوئے یا بچ گئے یہاں تک کہ ایک روز میں آیا تو دیکھا کہ قرآن گود میں رکھے ہوئے رو رہے ہیں۔ اول اول تو میرا حوصلہ نہ پڑا کہ سامنے آؤں لیکن دیر تک جب یہی حالت رہی تو میں نے قریب آ کر سلام کیا بیٹھ گیا اور رونے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا دیکھو یہ سورہ اعراف ہے اس میں ایلہ کے یہودیوں کا ذکر ہے کہ انہیں

ہفتے کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت کر دی گئی اور ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتے کے دن ہی نکلیں ہفتے کے دن دریا مچھلیوں سے بھرے رہتے تھے۔ تر وتازہ موٹی اور عمدہ بکثرت مچھلیاں پانی کے اوپر اچھلتی کودتی رہتی تھیں۔ اور دنوں میں سخت کوشش کے باوجود بھی نہ ملتی تھیں۔ کچھ دنوں تک تو ان کے دلوں کے اندر حکم الٰہی کی عظمت رہی اور یہ ان کے پکڑنے سے رکے رہے لیکن پھر شیطان نے ان کے دل میں یہ قیاس ڈال دیا کہ اس دن منع کھانے سے ہے تم نے آج کھانا نہیں۔ پکڑ لو اور جائز دن کھا لینا۔ سچے مسلمانوں نے انہیں اس حیلہ جوئی سے ہر چند روکا اور سمجھایا کہ دیکھو شکار کھیلنا شروع نہ کرو شکار اور کھانا دونوں ممنوع ہیں۔ اگلے جمعہ کے دن جو جماعت شیطانی پھندے میں پھنس چکی تھی وہ اپنے بال بچوں سمیت شکار کو نکل کھڑی ہوئی۔ باقی کے لوگوں کی دو جماعتیں بن گئیں ایک ان کے دائیں ایک بائیں۔ دائیں جانب والی تو برابر انہیں روکتی رہی کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کے عذابوں کے لئے تیاری نہ کرو۔ بائیں والوں نے کہا میاں تمہیں کیا پڑی؟ یہ تو خراب ہونے والے ہیں اب تم انہیں نصیحت کر کے کیا لو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خیر اللہ کے ہاں ہم تو چھوٹ جائیں گے اور ہمیں تو اب تک مایوسی بھی نہیں کیا عجب کہ یہ لوگ سنور جائیں تو ہلاکت اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ ہماری تو عین منشا یہ ہے لیکن یہ بدکار اپنی بے ایمانی سے باز نہ آئے اور نصیحت انہیں کارگر نہ ہوئی تو دائیں طرف کے لوگوں نے کہا تم نے ہمارا کہا نہ مانا۔ اللہ کی نافرمانی کی' ارتکاب حرمت کیا۔ عجب نہیں راتوں رات تم پر کوئی عذاب رب آئے۔ اللہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسا دے یا کسی اور طرح تمہیں سزا دے۔ رات ہم تو یہیں گزاریں گے تمہارے ساتھ شہر میں نہیں رہیں گے۔ جب صبح ہوگئی اور شہر کے دروازے نہ کھلے تو انہوں نے کواڑ کھٹ کھٹائے' آوازیں دیں لیکن کوئی جواب نہ آیا آخر سیڑھی لگا کر ایک شخص کو قلعہ کی دیوار پر چڑھایا اس نے دیکھا تو حیران ہو گیا کہ سب لوگ بندر بنا دیئے گئے۔ اس نے ان سب مسلمانوں کو خبر دی۔ یہ دروازے توڑ کر اندر گئے تو دیکھا کہ سب دم دار بندر بن گئے ہیں یہ تو کسی کو پہچان نہ سکے لیکن وہ پہچان گئے ہر بندر اپنے اپنے رشتے دار کے قدموں میں لوٹنے لگا ان کے کپڑے پکڑ پکڑ کر رونے لگے تو انہوں نے کہا دیکھو ہم تو تمہیں منع کر رہے تھے لیکن تم نے مانا ہی نہیں۔ وہ اپنا سر ہلاتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے ہمارے اعمال کی شامت نے ہی ہمیں برباد کیا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ تو قرآن میں ہے کہ روکنے والے نجات یافتہ ہوئے لیکن یہ بیان نہیں کہ جو روکنے والوں کو منع کرتے تھے ان کا کیا حشر ہوا؟ اب ہم بھی بہت سی خلاف شرع باتیں دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں میں نے آپ سے یہ سن کر کہا اللہ مجھے آپ پر نثار کر دے آپ یہ تو دیکھئے کہ وہ لوگ ان کے اس فعل کو برا سمجھتے رہے تھے ان کی مخالفت کرتے تھے جانتے تھے کہ یہ ہلاک ہونے والے ہیں ظاہر ہے کہ یہ بچ گئے۔ آپ کی سمجھ میں آ گیا اور اسی وقت حکم دیا کہ مجھے دو چادریں انعام میں دی جائیں۔ الغرض اس بیچ کی جماعت کی نسبت ایک قول تو یہ ہے کہ عذاب سے بچ گئی دوسرا قول یہ بھی ہے کہ عذاب ان پر بھی آیا۔ ابن رومان فرماتے ہیں کہ ہفتے والے دن خوب مچھلیاں آتیں پانی ان سے بھر جاتا پھر بیچ کے کسی دن نظر نہ آتیں دوسرے ہفتے کو پھر یہی حال ہوتا۔ سب سے پہلے

ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ڈور اور کانٹا تیار کیا' مچھلی کو اس میں پھنسالیا اور پانی میں ہی چھوڑ دیا اتوار کی رات کو جا کر نکال لیا بھونا لوگوں کو مچھلی کی خوشبو پہنچی تو سب نے گھیر لیا۔ ہر چند پوچھا لیکن اول تو یہ سختی سے انکار کرتا رہا آخر بات بنا دی کہ دراصل ایک مچھلی کا چھلکا مجھے مل گیا تھا میں نے اسے بھونا تھا۔ دوسرے ہفتے کے دن اس نے اسی طرح دو مچھلیاں پھانس لیں اتوار کی رات کو نکال کر بھوننے لگا لوگ آ گئے تو اس نے کہا میں نے ایک ترکیب نکال لی ہے جس سے نافرمانی بھی نہ ہو اور کام بھی نہ رکے اب جو حیلہ بیان کیا تو ان سب نے اسے پسند کیا اور بکثرت لوگ یونہی کرنے لگے۔ یہ لوگ رات کو شہر پناہ کا پھاٹک بند کر کے سوتے تھے جس رات عذاب آیا حسب دستور یہ شہر پناہ کا پھاٹک لگا کر سوئے تھے۔ صبح کو جب باہر والے شہر میں داخل ہونے کو آئے تو خلاف معمول اب تک دروازے بند پائے آوازیں دیں کوئی جواب نہ ملا قلعہ پر چڑھ گئے دیکھا تو بندر بنا دیئے گئے ہیں کھول کر اندر گئے تو بندر اپنے اپنے رشتہ داروں کے قدموں میں لوٹنے لگے اس سے پہلے سورہ بقرہ کی ایسی ہی آیت کی تفسیر کے موقعہ پر بالتفصیل ان واقعات کو اچھی طرح بیان کر چکے ہیں وہیں دیکھ لیجئے۔ فالحمدللہ' دوسرا قول یہ ہے کہ جو چپ رہے تھے وہ بھی ان گنہگاروں کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ پہلے ہفتے کے دن کی تعظیم بطور بدعت خود ان لوگوں نے نکالی اب اللہ کی طرف سے بطور آزمائش کے وہ تعظیم ان پر ضروری قرار دے دی گئی اور حکم ہو گیا کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کرو۔ پھر مچھلیوں کا اس دن نمایاں ہونا اور دوسرے دنوں میں نہ نکلنا وغیرہ بیان فرما کر فرمایا کہ پھر ان میں سے ایک شخص نے ایک مچھلی ہفتے کے دن پکڑی اس کی ناک میں سوراخ کر کے ڈور باندھ کر ایک کیل کنارے گاڑ کر اس میں ڈور اٹکا کر مچھلی کو دریا میں ڈال دیا دوسرے دن جا کر پانی میں سے نکال لایا اور بھون کر کھالی سوائے اس پاک باز حق گو جماعت کے لوگوں کے کسی نے نہ اسے روکا نہ منع کیا نہ سمجھایا لیکن ان کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس ایک کی دیکھا دیکھی اور بھی یہی کام کرنے لگے یہاں تک کہ بازاروں میں مچھلی آنے لگی اور اعلانیہ یہ کام ہونے لگا۔ ایک اور جماعت کے لوگوں نے اس حق والی جماعت سے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں وعظ کرتے ہو اللہ تو انہیں ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب کرنے والا ہے تو انہوں نے یہ جواب دیا یعنی اللہ کا فرمان دہرایا۔ لیکن لوگ فرمان ربانی کو بھول بیٹھے اور عذاب رب کے خود شکار ہو گئے۔ یہ تین گروہوں میں بٹ گئے تھے ایک تو شکار کھیلنے والا' ایک منع کرنے والا۔ ایک ان منع کرنے والوں سے کہنے لگا کہ اب نصیحت بیکار ہے۔ بس وہ تو بچ گئے جو برابر روکتے رہے تھے اور باقی دونوں جماعتیں ہلاک کر دی گئیں۔ سند اس کی نہایت عمدہ ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے قول کی طرف رجوع کرنا اس قول کے کہنے سے اولیٰ ہے اس لئے کہ اس قول کے بعد ان پر ان کے حال کی حقیقت کھل گئی واللہ اعلم۔ پھر فرمان ہے کہ ہم نے ظالموں کو سخت عذابوں سے دبوچ لیا۔ مفہوم کی دلالت تو اس بات پر ہے کہ جو باقی رہے بچ گئے۔ ﴿بَئِيسٍ﴾ کی کئی ایک قرائتیں ہیں اس کے معنی سخت کے' دردناک کے' تکلیف دہ کے ہیں اور سب کا مطلب قریب قریب یکساں ہے۔ ان کی سرکشی اور ان کے حد سے گذر جانے کے باعث ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم ذلیل حقیر اور ناقدرے بندر بن جاؤ چنانچہ وہ ایسے ہی ہو گئے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

اور یاد کرو جب تیرے رب نے صاف صاف خبر کردی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو انہیں بدترین سزائیں دیتے رہیں گے' بیشک تیرا رب بہت جلد سزاؤں کا کرنے والا ہے' اور بیشک وہ بڑا ہی بخشنے اور مہربانی کرنے والا ہے ○

نافرمان عذاب میں: اللہ تعالیٰ نے یہود کو اطلاع کردی کہ ان کی اس سخت نافرمانی و بار بار کی بغاوت اور ہر موقعہ پہ نافرمانی' رب سے سرکشی اور اللہ کے حرام کو اپنے کام میں لانے کے لئے حیلہ جوئی کر کے اسے حلال کی جامہ پوشی کا بدلہ یہ ہے کہ قیامت تک یہ دبے رہیں گے' ذلت میں رہیں گے' لوگ ان کو پست کرتے چلے جائیں گے۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان پر تاوان مقرر کر دیا تھا سات سال یا تیرہ سال تک یہ اسے ادا کرتے رہے۔ سب سے پہلے خراج کا طریقہ آپ نے ہی ایجاد کیا پھر ان پر یونانیوں کی حکومت ہوئی پھر کشدانیوں اور کلدانیوں کی پھر نصرانیوں کی۔ سب کے زمانے میں ذلیل اور حقیر رہے ان سے جزیہ لیا جاتا رہا اور انہیں پستی سے ابھرنے کا کوئی موقعہ نہ ملا پھر اسلام آیا اور اس نے بھی انہیں پست کیا جزیہ اور خراج برابر ان سے وصول ہوتا رہا۔ غرض یہ ذلیل رہے اس امت کے ہاتھوں بھی حقارت کے گڑھے میں گرے رہے۔ بالآخر یہ دجال کے ساتھ مل جائیں گے لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جا کر پھر ان کی تخم ریزی کر دیں گے۔ جو بھی اللہ کی شریعت کی مخالفت کرتا ہے' اللہ کے فرمان کی تحقیر کرتا ہے اللہ اسے جلد ہی سزا دے دیتا ہے۔ ہاں جو اس کی طرف رغبت و رجوع کرے' توبہ کرے' جھکے تو وہ بھی اس کے ساتھ بخشش و رحمت سے پیش آتا ہے۔ چونکہ ایمان نام ہے خوف اور امید کا اسی لئے یہاں اور اکثر جگہ عذاب و ثواب' پکڑ دھکڑ اور بخشش' ڈراوا اور لالچ دونوں کا ایک ساتھ بیان ہوا ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ
بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا
الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ
عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى
اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

ہم نے بنی اسرائیل کے گروہ گروہ کر کے انہیں ملک میں پھیلا دیا' ان میں سے بعض تو نیکو کار رہیں اور بعض اور طرح کے' ہم نے انہیں سکھ دکھ میں دونوں طرح آزما لیا کہ وہ لوٹ آئیں ○ پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوئے کہ کتاب

کے وارث بن کر اس خسیس دنیا کا اسباب اختیار کرتے ہیں اس پر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہمیں تو ضرور بخش دیا جائے گا' حالانکہ اگر پھر بھی ان کے پاس اسی طرح کا اسباب آ جائے تو یہ اسے بھی لے لیں' کیا ان سے کتاب کا یہ مضبوط عہد نہیں لیا گیا کہ وہ سوائے حق کے کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر کے نہ کہیں گے انہوں نے تو جو کچھ اس کتاب میں ہے خود پڑھا ہے' آخرت کا گھر پرہیزگار لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے' کیا تم نہیں سمجھتے ؟ ○ جو کتاب اللہ کو مضبوطی سے لئے رہیں اور نماز کی پابندی کریں' یقیناً ہم نیکی اور اصلاح کرنے والوں کا ثواب برباد نہیں کرتے ○

رشوت خور ذلیل و رسوا: بنو اسرائیل مختلف فرقے اور گروہ کر کے زمین میں پھیلا دیئے گئے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم زمین میں رہو سہو۔ جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تمہیں جمع کر کے لائیں گے ان میں کچھ تو نیک لوگ تھے کچھ بد تھے۔ [1] جنات میں بھی یہی حال ہے جیسے سورہ جن میں ان کا قول ہے کہ ہم میں کچھ تو نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے ہیں ہمارے بھی مختلف فرقے ہوتے آئے ہیں۔ [2] پھر فرمان ہے کہ ہم نے انہیں سختی نرمی سے' لالچ اور خوف سے' عافیت اور بلا سے غرض ہر طرح پرکھ لیا تا کہ وہ اپنے کرتوت سے ہٹ جائیں۔

جب یہ زمانہ بھی گزرا جس میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ تھے ان کے بعد تو ایسے ناخلف اور نالائق آئے جن میں کوئی بھلائی اور خیریت تھی ہی نہیں۔ یہ اب تورات کی تلاوت کرنے والے رہ گئے ممکن ہے اس سے مراد صرف نصرانی ہوں اور ممکن ہے کہ یہ خبر عام نصرانی غیر نصرانی سب پر مشتمل ہو وہ حق بات کے بدلنے اور دنیا سمیٹنے کی فکر میں لگ گئے' جیب بھر دو جو چاہو کہلوا لو۔ پس ہوس یہ ہے کہ ہے کیا؟ توبہ کر لیں گے معاف ہو جائے گا پھر موقعہ آیا پھر دنیا لے کر اللہ کی باتیں بدل دیں۔ گناہ کیا توبہ کی پھر موقعہ ملتے ہی لپک کر گناہ کر لیا۔ مقصود ان کا دنیا طلبی ہے حلال سے ملے چاہے حرام سے ملے پھر بھی مغفرت کی تمنا ہے۔ یہ ہیں جو وارث رسول کہلواتے ہیں اور جن سے اللہ نے عہد لیا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز تک ضائع کر دی۔ [3] بنی اسرائیل کا آوے کا آوا بگڑ گیا آج ایک کو قاضی بناتے ہیں وہ رشوتیں کھانے اور احکام بدلنے لگتا ہے وہ اسے ہٹا کر دوسرے کو قائم مقام کرتے ہیں اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے پوچھتے ہیں بھئی ایسا کیوں کرتے ہو؟ جواب ملتا ہے اللہ غفور رحیم ہے پھر وہ ان لوگوں میں سے کسی کو اس عہد پر لاتے ہیں جو اگلے قاضیوں حاکموں اور ججوں کا شاکی تھا لیکن وہ بھی رشوتیں لینے لگتا ہے اور ناحق فیصلے کرنے لگتا ہے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم سے مضبوط عہد و پیمان ہم نے لے لیا ہے کہ تم حق کو ظاہر کیا کرو اسے نہ چھپاؤ لیکن ذلیل دنیا کے لالچ میں آ کر عذاب رب مول لے رہے ہو اسی وعدے کا بیان آیت ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ [4] الخ' میں ہوا ہے یعنی اللہ نے یہود و نصاریٰ سے عہد لیا تھا کہ وہ کتاب اللہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہیں گے' اور اس کی کوئی بات نہ چھپائیں گے۔ یہ بھی اس کے خلاف تھا کہ گناہ کرتے چلے جائیں توبہ نہ

---

[1] [الاسراء: ۱۰۴] [2] [الجن: ۱۱]

[3] [مریم: ۵۹] [4] [سورہ آل عمران: آیت ۱۸۷]

کریں اور بخشش کی امید رکھیں پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پاس کے اجر و ثواب کا لالچ دکھاتا ہے کہ اگر تقویٰ کیا حرام سے بچے خواہش نفسانی کے پیچھے نہ لگے رب کی اطاعت کی تو آخرت کا بھلا تمہیں ملے گا جو اس فانی دنیا کے ٹھاٹھ سے بہت ہی بہتر ہے۔ کیا تم میں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ گراں بہا چیز کو چھوڑ کر ردی چیز کے پیچھے پڑے ہو؟

پھر جناب باری عزوجل ان مومنوں کی تعریف کرتا ہے جو کتاب اللہ پر قائم ہیں اور اس کتاب کی راہنمائی کے مطابق اس پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی اتباع کرتے ہیں' کلام رب پر جم کر عمل کرتے ہیں' احکام الٰہی کو دل سے مانتے ہیں اور بجالاتے ہیں اس کے منع کردہ کاموں سے رک گئے ہیں' نماز کو پابندی' دلچسپی' خشوع اور خضوع سے ادا کرتے ہیں حقیقتاً یہی لوگ اصلاح پر ہیں اور ناممکن ہے کہ ان نیک اور پاکباز لوگوں کا بدلہ اللہ ضائع کردے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ع

اور جبکہ ہم نے ان کے سروں پر پہاڑ کو مثل سائبان کے لٹکا دیا اس طرح کہ سمجھنے لگے کہ وہ ان پر گر پڑنے والا ہی ہے' کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی سے لئے رہو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تمہارا بچاؤ ہو جائے ○

اسی طرح کی آیت ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ ﴾ [1] الخ' ہے یعنی ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کیا۔ اسے فرشتے اٹھا لائے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ''جب موسیٰ علیہ السلام انہیں ارض مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ اتر جانے کے بعد تختیاں اٹھا لیں اور ان میں جو حکم احکام تھے' وہ انہیں سنائے تو انہیں وہ سخت معلوم ہوئے اور تسلیم و تعمیل سے صاف انکار کر دیا تو بحکم الٰہی فرشتوں نے پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لا کھڑا کر دیا۔ (نسائی)۔ مروی ہے کہ جب کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے ان سے فرمایا کہ لو اللہ کی کتاب کے احکام قبول کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں سناؤ اس میں کیا احکام ہیں؟ اگر آسان ہوئے تو ہم منظور کر لیں گے ورنہ نہ مانیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کے اصرار پر بھی یہ لوگ کہتے رہے آخر اسی وقت اللہ کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا ہو گیا اور اللہ کے پیغمبر نے فرمایا بولو اب مانتے ہو یا اللہ تعالیٰ تم پر پہاڑ گرا کر تمہیں فنا کر دے؟ اسی وقت یہ سب کے سب مارے ڈر کے سجدے میں گر پڑے لیکن بائیں آنکھیں سجدے میں تھی اور دائیں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ گر نہ پڑے۔ چنانچہ یہودیوں میں اب تک سجدے کا طریقہ یہی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح کے سجدے نے ہم پر سے عذاب الٰہی دور کر دیا ہے۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو کھولا تو ان میں کتاب تھی جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اسی وقت تمام پہاڑ درخت پتھر سب کانپ اٹھے۔ آج بھی یہودی تلاوت تورات کے وقت کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے سر جھک جاتے ہیں۔

---

[1] [سورہ النسآء: آیت ۱۵٤]

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا
غٰفِلِيْنَ ١٧٢ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ
اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ١٧٣ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ١٧٤

جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی اولادیں نکالیں اور خود ان ہی کو ان کا گواہ بنادیا کہ کیا میں تمہارا پرورش کرنے والا نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ بیشک ہے ہم گواہ ہیں' یہ اس لئے کہ کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے ○ یا کہنے لگو کہ شرک تو پہلے ہی سے ہمارے بڑے کرتے رہے اور ہم تو ان کی نسلوں میں سے تھے تو کیا تو ہمیں ان خطا کاروں کے جرم کی سزا میں ہلاک کر رہا ہے؟ ○ ہم اسی طرح تفصیل وار آیتوں کو بیان فرمادیتے ہیں تا کہ لوگ باز آجائیں ○

عہد الست کا تذکرہ: اولاد آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ان کی پیٹھوں سے روز اول میں نکالیں۔ پھر ان سب سے اس بات کا اقرار لیا کہ رب' خالق' مالک' معبود صرف وہی ہے۔ اسی فطرت پر پھر دنیا میں ان سب کو ان کے وقت پر اس نے پیدا کیا ہے۔ یہی وہ فطرت ہے جس کی تبدیلی ناممکن ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ (1) ایک روایت میں ہے کہ اس دین پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جیسا کہ بکری کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں۔ (2) حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و مخلص پیدا کیا پھر شیطان نے آکر انہیں ان کے سچے دین سے بہکا کر میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کردیں۔ (3) قبیلہ بنو سعد کے ایک صحابی حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار غزوے کئے لوگوں نے لڑنے والے کفار کے قتل کے بعد ان کے بچوں کو بھی پکڑ لیا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا لوگ ان بچوں کو کیوں پکڑ رہے ہیں؟ کسی نے کہا حضورؐ وہ بھی تو مشرکوں کے ہی بچے ہیں؟ فرمایا سنو تم میں سے بہتر لوگ مشرکین کی اولاد میں ہیں یاد رکھو ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر زبان چلنے پر اس کے ماں باپ یہودیت یا نصرانیت کی تعلیم دینے لگتے ہیں۔ اس کے راوی حضرت حسن

---

(1) [صحيح : صحيح بخاري : كتاب الجنائز : باب ماقيل في اولاد المشركين (١٣٨٥) صحيح مسلم : كتاب القدر : باب معنى كل مولود يولد على الفطرة (٢٦٥٨)]

(2) [صحيح : صحيح بخاري : كتاب التفسير : باب لا تبديل لخلق الله (٤٧٧٥) صحيح مسلم : كتاب القدر : باب معنى كل مولود يولد على الفطرة (٢٦٥٨) ترمذي : كتاب القدر : باب ماجآ كل مولود يولد على الفطرة (٢١٣٨) مسند احمد (٢٥٣/٢)]

(3) [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الجنة : باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا (٢٨٦٥) مسند احمد (٢٦٦/٤)]

فرماتے ہیں اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اللہ نے اولاد آدم سے اپنی توحید کا اقرار لیا ہے (ابن جریر) [1] اس اقرار کے بارے میں کئی ایک حدیثیں مروی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخی سے کہا جائے گا اگر تمام دنیا تیری ہو تو کیا تو خوش ہے کہ اسے اپنے فدیئے میں دے کر میرے عذابوں سے آج بچ جائے؟ وہ کہے گا ہاں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تو اس سے بہت ہلکے درجے کی چیز تجھ سے طلب کی تھی اور اس کا وعدہ بھی تجھ سے لے لیا تھا کہ میرے سوا تو کسی اور کی عبادت نہ کرے۔ لیکن تو اسے توڑے بغیر نہ رہا اور دوسرے کو میرا شریک عبادت ٹھہرایا۔ [2] مسند میں ہے نعمان نامی میدان میں اللہ تعالیٰ نے پشت آدم میں سے عرفے کے دن ان کی تمام اولاد ظاہر فرمائی سب کو اس کے سامنے پھیلا دیا اور فرمایا کیا میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہم گواہ ہیں پھر آپ نے ﴿ مُبۡطِلُوۡنَ ﴾ تک آیت تلاوت فرمائی۔ [3] یہ روایت موقوف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے واللہ اعلم۔

اس وقت لوگ چیونٹیوں کی طرح تھے اور تر زمین پر تھے۔ حضرت ضحاک بن مزاحم کے چھ دن کی عمر کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا جابر اسے دفن کر کے اس کا منہ کفن سے کھول دینا اور گرہ بھی کھول دینا کیونکہ میرا یہ بچہ بٹھا دیا جائے گا اور اس سے سوال کیا جائے گا جابر نے حکم کی بجا آوری کی پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے بچے سے کیا سوال ہوگا؟ اور کون سوال کرے گا؟ فرمایا اس میثاق کے بارے میں جو صلب آدم میں لیا گیا ہے سوال کیا جائے گا۔ میں نے پوچھا وہ میثاق کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو جتنے انسان قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں سب کی روحیں آ گئیں اللہ نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ وہ اسی کی عبادت کریں گے اس کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانیں گے خود ان کے رزق کا کفیل بنا پھر انہیں صلب آدم میں لوٹا دیا۔ پس یہ سب قیامت سے پہلے ہی پیدا ہوں گے۔ جس نے اس وعدے کو پورا کیا' اور اپنی زندگی میں اس پر قائم رہا اسے وہ وعدہ نفع دے گا اور جس نے اپنی زندگی میں اس کی خلاف ورزی کی اسے پہلے کا وعدہ کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور جو بچپن میں ہی مر گیا وہ میثاق اول پر اور فطرت پر مرا۔ ان آثار سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اوپر والی حدیث کا موقوف ہونا ہی اکثر اور زیادہ ثبوت والا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی آدم کی پیٹھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ایسے

---

[1] [ضعیف: مسند احمد (۳/ ٤٣٥) مستدرك حاكم (۲/ ۱۲۳) تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٣٦٤) دارمی (٢٤٦٦) ابو نعیم فی الحلیة (٨/ ٢٦٣) طبرانی کبیر (٨٢٩) بیهقی فی السنن الکبری (٩/ ٧٧)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (١٦٣٠٣)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب خلق آدم وذریته (٣٣٣٤) صحیح مسلم: کتاب صفات المنافقین: باب طلب الکافر الفداء بملأ الارض (٢٨٠٥)]

[3] [صحیح: مسند احمد (١/ ٢٧٢) تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٣٤٩) مستدرك حاكم (١/ ٢٧) نسائی فی السنن الکبری (١١١٩١) ابن ابی عاصم فی السنة (١/ ٢٠٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (١٦٢٣) تخريج الطحاوية (ص: ٢٦٢) صحيح الجامع الصغير (١٧٠١)]

نکالیں جیسے کنگھی بالوں میں سے نکلتی ہے ان سے اپنی ربوبیت کا سوال کیا انہوں نے اقرار کیا فرشتوں نے شہادت دی اس لئے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اس سے غفلت کا بہانہ نہ کریں۔ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا تو آپ نے میرے سنتے ہوئے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اپنے داہنے ہاتھ سے ان کی پیٹھ کو چھوا اس سے اولاد نکلی فرمایا میں نے انہیں جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یہ جہنمیوں کے اعمال کریں گے تو آپ سے سوال ہوا کہ پھر عمل کس گنتی میں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو جنتی ہے اس سے مرتے دم تک جنتیوں کے ہی اعمال سرزد ہوں گے اور جنت میں جائے گا ہاں جو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس سے وہی اعمال سرزد ہوں گے انہی پر مرے گا اور جہنم میں داخل ہوگا [2] (ابوداؤد) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو نکال کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور رکھ کر حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا حضرت نے پوچھا کہ یا اللہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے ان میں سے ایک کے ماتھے کی چمک حضرت آدم علیہ السلام کو بہت اچھی لگی پوچھا یا اللہ یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ تیری اولاد میں سے بہت دور جا کر ہیں ان کا نام داؤد ہے پوچھا ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال کہا یا اللہ چالیس سال میری عمر میں سے ان کی عمر میں زیادہ کر پس جب حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو قبض کرنے کے لئے فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں، فرشتے نے کہا آپ کو یاد نہیں کہ آپ نے یہ چالیس سال اپنے بچے حضرت داؤد کو ہبہ کر دیئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی انکار کی عادی ہے آدم علیہ السلام خود بھول گئے ان کی اولاد بھی بھولتی ہے آدم علیہ السلام نے خطا کی ان کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔ [3] یہ حدیث ترمذی میں ہے امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح لکھتے ہیں اور روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی ان میں جذامی ہے کوئی کوڑھی ہے کوئی اندھا ہے کوئی بیمار ہے تو پوچھا کہ یا اللہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا یہ کہ میرا شکر یہ ادا کیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ ان میں سے یہ زیادہ روشن اور نورانی چہروں والے کون ہیں؟ فرمایا یہ انبیاء ہیں الخ۔ [4] کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں یہ ہمارا ذاتی عمل ہے یا کہ فیصل شدہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پیٹھوں سے نکالا ہے انہیں گواہ بنایا پھر اپنی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٣٦٥)]

[2] **[ضعیف** : ابوداؤد : کتاب السنة : باب فی القدر (٤٧٠٣) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة الاعراف (٣٠٧٥) مستدرك حاكم (١/٢٧)، (٢/٥٤٤) صحیح ابن حبان (٦١٦٦) مسند احمد (١/٤٤-٤٥) تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٥٦٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔[ضعیف ابوداود، السلسلة الضعیفة (٣٠٧١)]

[3] **[صحیح** : ترمذی : کتاب التفسیر : باب و من سورة الاعراف (٣٠٧٦) مستدرك حاكم (٢/٢٨٦) ابن سعد فی الطبقات (١/٢٧-٢٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی، تخریج الطحاویة (٣٤٢)]

[4] **[ضعیف** : تفسیر ابن ابی حاتم (٥/٨٥٣٥)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید راوی کمزور ہے۔]

دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی ہیں۔ پس اہل جنت پر تو نیک کام آسان ہوتے ہیں اور دوزخیوں پر برے کام آسان ہوتے ہیں۔ [1] رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور قصہ ختم کیا تو جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملنے والا ہے انہیں اپنی داہنی مٹھی میں لیا اور بائیں والوں کو بائیں مٹھی میں لیا پھر فرمایا اے دائیں طرف والو! انہوں نے کہا لبیک وسعد یک فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: ہاں پھر فرمایا اے بائیں طرف والو! انہوں نے کہا لبیک وسعید یک فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں پھر سب کو ملا دیا کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ ان کے لئے اور اعمال ہیں جنہیں یہ کرنے والے ہیں۔ یہ تو صرف اس لئے کہلوایا گیا ہے کہ انہیں یہ عذر نہ رہے کہ ہم اس سے غافل تھے۔ پھر سب کو صلب آدم علیہ السلام میں لوٹا دیا۔ [2] حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ اس دن سب کو جمع کیا، صورتیں دیں، بولنے کی طاقت دی، پھر عہد و میثاق لیا اور اپنے رب ہونے پر خود انہیں گواہ بنایا اور ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور حضرت آدم علیہ السلام کو گواہ کیا کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں علم نہ تھا جان لو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں نہ میرے سوا کوئی اور مربی ہے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں اپنے رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں یہ وعدہ یاد دلائیں گے میں اپنی کتابیں اتاروں گا تاکہ تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلاتی رہیں سب نے جواب میں کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے تو ہی ہمارا معبود ہے تیرے سوا ہمارا کوئی مربی نہیں۔ پس سب سے اطاعت کا وعدہ لیا اب جو حضرت آدم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو امیر غریب خوبصورت اور اس کے سوا مختلف لوگوں پر نظر پڑی تو آپ کہنے لگے کیا اچھا ہوتا کہ سب برابر ایک ہی حالت میں ہوتے تو جواب ملا کہ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص میری شکر گزاری کرے۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں اللہ کے پیغمبر بھی ہیں ان سے پھر علیحدہ ایک اور میثاق لیا گیا۔ جس کا بیان آیت ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ [3] الخ، میں ہے۔ اسی عام میثاق کا بیان آیت ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ﴾ [4] میں ہے اسی لئے فرمان ہے۔ ﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى﴾ [5] اسی کا بیان اس آیت میں ہے ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ﴾ [6] (مسند احمد) حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت حسن، حضرت قتادہ، حضرت سدی اور بہت سے سلف رحمہم اللہ سے ان احادیث کے مطابق اقوال مروی ہیں جن سب کے وارد کرنے سے بہت طول ہو جائے گا ماحصل سب کا یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو آپ کی پیٹھ سے نکالا جنتی دوزخی الگ الگ کئے اور وہیں ان کو اپنے رب ہونے پر گواہ کر لیا یہ جن دو احادیث میں ہے وہ دونوں مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں اسی لئے سلف و خلف میں اس بات کے قائل گزرے ہیں کہ اس سے

---

1. [حسن بالشواهد: تفسير ابن جرير الطبرى (١٥٣٧٧) مسند بزار (٢١٤١) مجمع الزوائد (١٦٨/٧)]
2. [ضعيف جدا: الدر المنثور للسيوطى (٢٦٢/٣) مسند طيالسى (١١٣٠) طبرانى كبير (٧٩٤٣) ابن عدى فى الكامل (٢٧٢٣/٧)] اس کی سند میں جعفر بن زبیر راوی سخت ضعیف ہے۔]
3. [سورہ الاحزاب: ٧]
4. [سورہ الروم: ٣٠]
5. [سورہ النجم: ٥٦]
6. [سورہ الاعراف: ١٠٢]

مراد فطرت پر پیدا کرنا ہے جیسے کہ مرفوع اور صحیح احادیث میں وارد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ﴿مِنْ م بَنِي اٰدَمَ﴾ فرمایا اور ﴿مِنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ کہا ورنہ ﴿مِنْ اٰدَمَ﴾ اور ﴿مِنْ ظَهْرِهٖ﴾ ہوتا۔ ان کی نسلیں اس روز نکالی گئیں جو کہ یکے بعد دیگرے مختلف قرنوں میں ہونے والی تھیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ (۱) اللہ ہی نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین کیا ہے اور جگہ ہے وہی تمہیں زمین کا خلیفہ بنا رہا ہے اور آیت میں ہے جیسے تمہیں دوسرے لوگوں کی اولاد میں کیا۔ الغرض حال وقال سے سب نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ شہادت قولی ہوتی ہے جیسے آیت ﴿شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا﴾ (۲) میں اور شہادت کبھی حالی ہوتی ہے جیسے آیت ﴿شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ (۳) میں یعنی ان کا حال ان کے کفر کی کھلی اور کافی شہادت ہے اسی طرح کی آیت ﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ (۴) ہے۔ اسی طرح سوال بھی کبھی زبان سے ہوتا ہے کبھی حال سے۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ (۵) اس نے تمہیں تمہارا منہ مانگا دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ ان کے شرک کرنے پر یہ حجت ان کے خلاف پیش کی۔ پس اگر یہ واقع میں ہوا ہوتا جیسا کہ ایک قول ہے تو چاہئے تھا کہ ہر ایک کو یاد ہوتا تا کہ اس پر حجت رہے۔ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ فرمان رسول ﷺ سے خبر پالینا کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسولوں کو ہی نہیں مانتے وہ رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو کب صحیح جانتے ہیں؟ حالانکہ قرآن کریم نے رسولوں کی تکذیب کے علاوہ خود اس شہادت کو مستقل دلیل ٹھہرایا ہے پس اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت ربانی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ فطرت توحید باری تعالیٰ ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ یہ اس لئے کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم توحید سے غافل تھے اور یہ بھی نہ کہہ سکو کہ شرک تو ہمارے اگلے باپ دادوں نے کیا تھا ان کے اس ایجاد کردہ گناہ پر ہمیں سزا کیوں؟

پھر تفصیل وار آیات کا بیان فرمانے کا راز ظاہر کیا کہ اس کو سن کر برائیوں سے باز آ جانا ممکن ہو جاتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ
فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ
ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾
سَاۗءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

انہیں اس شخص کا واقعہ بھی پڑھ سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں۔ لیکن وہ ان سے الگ ہٹ گیا اور شیطان اس کے درپے ہو گیا پس انجام کار وہ گمراہوں میں جا ملا○ اگر ہم چاہتے تو نشانیوں کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند کر دیتے لیکن اس نے

---

(۱) [سورہ الانعام: ۱۶۵] (۲) سورہ الانعام: ۱۳۰] (۳) [سورہ التوبہ: ۱۷]
(۴) [سورہ العادیات: ۷] (۵) [سورہ ابراھیم: ۳۴]

تو پستی ہی کی طرف میلان کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا' اس کی مثال کتے کی سی ہے' کہ اگر اس پر مشقت لا دے تو بھی ہانپتا رہے اور چھوڑ دے تب بھی ہانپتا ہی رہے' یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں تو ان واقعات کو بیان کرتا رہ تا کہ یہ غور و فکر کر سکیں ○ بڑی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں ○

بلعم بن باعوراء: روی ہے کہ جس کا واقعہ ان آیتوں میں بیان ہو رہا ہے اس کا نام بلعم بن باعوراء ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام صیفی بن راہب تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ بیت المقدس میں رہا کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا۔ یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا۔ اس کی دعا مقبول ہو جایا کرتی تھی۔ بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے اللہ اس کی دعا مقبول فرما لیا کرتا تھا' اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا اس عقلمند بادشاہ نے اسے مکر و فریب سے اپنا کر لیا۔ اس کے نام کئی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ یہ بدنصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جا ملا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام بلعام تھا۔ یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابوصلت ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کہنے والے کی یہ مراد ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا۔ اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو بھی اس نے پایا آپ کی آیات و بینات دیکھیں' معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے' ہزار ہا کو دین حق میں داخل ہوتے دیکھا' لیکن مشرکین کے میل جول' ان میں امتیاز' ان میں دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا۔ اسی نے بدری کافروں کے ماتم میں مرثیے کہے۔ لعنۃ اللہ۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی تین دعائیں جو بھی یہ کرے گا مقبول ہوں گی اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دعاؤں میں سے ایک دعا میرے لئے کر۔ اس نے منظور کر لیا اور پوچھا کیا دعا کرانا چاہتی ہو؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن و خوبصورتی عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو۔ اس نے دعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہوگئی۔ اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بے حقیقت سمجھنے لگی بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہوگئی اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنا دے۔ یہ بھی منظور ہوئی وہ کتیا بن گئی۔ اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہو رہے ہیں۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ اسے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لا دے۔ اس نے وہ تیسری دعا بھی کر لی تینوں دعائیں یوں ہی ضائع ہوگئیں اور یہ خالی ہاتھ بے خیر رہ گیا۔ [1] مشہور بات تو یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا

---

[1] [الدر المنثور للسیوطی (۳/۲٦٦)]

ہے کہ یہ نبی تھا۔ یہ محض غلط ہے' بالکل جھوٹ ہے اور کھلا افتراء ہے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے انہی جبارین میں بلعام نامی یہ شخص تھا اس کی قوم اور اس کے قرابت دار چچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کے لئے آپ بددعا کیجئے۔ اس نے کہا یہ نہیں ہوسکتا اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا و آخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہوگئی۔ یہ بھی لحاظ مروت میں آ گیا۔ بددعا کی' اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرا دیا۔ [1] سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیہ میں چالیس سال گذر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں۔ یہ آمادہ ہوگئے۔ بیعت کر لی۔ انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا جو بڑا عالم تھا اسم اعظم جانتا تھا۔ یہ بدنصیب کافر ہو گیا' قوم جبارین میں جا ملا اور ان سے کہا تم نہ گھبراؤ جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا میں ان پر بددعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے پاس تمام دنیوی ٹھاٹھ تھے لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا بلکہ ایک گدھی پال رکھی تھی۔ اسی بدقسمت کا ذکر اس آیت میں ہے۔ شیطان اس پر غالب آ گیا اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا جو وہ کہتا تھا یہ کرتا تھا آخر ہلاک ہوگیا۔ مسند ابویعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم پر سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا اور اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے ہوگا اور دینی ترقی پر ہوگا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا' اسے پس پشت ڈال دے گا' اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مشرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہوگا؟ یہ تہمت لگانے والا؟ یا وہ جسے تہمت لگا رہا ہے فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا۔ [2] پھر فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو قادر تھے کہ اسے بلند مرتبے پر پہنچائیں' دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھیں' اپنی دی ہوئی آیتوں کی تابعداری پر قائم رکھیں۔ لیکن وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہوگیا۔ اسے سجدہ کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اس بلعام سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کیجئے۔ اس نے کہا اچھا میں اللہ سے حکم لے لوں۔ جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان ہیں اور ان میں اللہ کے نبی موجود ہیں اس نے سب سے کہا کہ مجھے بددعا کرنے سے روک دیا گیا ہے انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے اس نے سب رکھ لیے۔ پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے آپ ضرور ان پر بددعا کیجئے اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لے لوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا۔ اس نے پھر اللہ سے مناجات کی لیکن اسے معلوم نہ ہوسکا اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے اس سے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/١٢٢)]

[2] [المطالب العالیه لابن حجر (٤/٢٧٣-٢٧٤)]

روک دیا گیا۔اس کی بھی سمجھ میں آ گیا اٹھ کر بددعا شروع کی۔ اللہ کی شان سے بددعا ان پر کرنے کے بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بددعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح ونصرت کی دعا نکلتی۔قوم نے کہا آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ اس نے کہا کیا کروں؟ میری زبان میرے قابو میں نہیں۔ سنو اگر سچ مچ میری زبان سے ان کے لئے بددعا نکلی تو قبول نہ ہوگی۔سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے تم اپنی نوجوان لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کرا کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کر دو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو یہ انکار نہ کریں ممکن ہے کہ بوجہ مسافرت یہ لوگ زناکاری میں مبتلا ہو جائیں اگر یہ ہوا تو چونکہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔ ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا۔خود بادشاہ کی بڑی حسین وجمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی اسے ہدایت کر دی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپے۔ یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے حرام کاری سے بچ نہ سکے۔شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی۔ اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار کیا۔اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں اس نے اپنے باپ سے یا بلعام سے پچھوایا اس نے اجازت دی۔ یہ خبیث اپنا منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرو دیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کے دست وبازو قوی کر دیئے اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے ہوئے اٹھا لیا لوگوں نے بھی انہیں دیکھ لیا۔اب اس لشکر پر عذاب رب بشکل طاعون آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے۔بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی اب بلعام اسے مارتا پیٹتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی۔ آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کیوں مارتا ہے سامنے دیکھ کون ہے؟ اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تھا یہ اتر پڑا اور سجدے میں گر گیا۔الغرض ایمان سے خالی ہو گیا اس کا نام تو بلعام تھا۔ یا بلعم بن باعوراء یا ابن ابر یا ابن باعور بن شہتوم بن قوشتم بن ماب بن لوط بن ہاران یا ابن حران بن آزر۔ یہ بلقا کا رئیس تھا' اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا۔ واللہ اعلم۔ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی۔اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھایا' اسے اللہ نے زبان دی۔اس نے کہا تیرا ناس جائے تو کہاں اور کیوں جا رہا ہے اللہ کے مقابلے کو اس کے رسول سے لڑنے اور مومنوں کو نقصان دلانے جا رہا ہے؟ دیکھو تو سہی فرشتے میری راہ روکے کھڑے ہیں۔اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا آگے بڑھ گیا۔سبان نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں سے بنو اسرائیل کا لشکر سامنے سے ہی نظر آتا تھا۔اب ان کے لئے بددعا اور اپنی قوم کے لیے دعائیں کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی دعا کی جگہ بددعا اور بددعا کی جگہ دعا نکلنے لگی۔قوم نے کہا کیا کر رہے ہو؟ کہا بے بس ہوں۔اسی وقت اس کی زبان نکل پڑی سینے پر لٹکنے لگی اس نے کہا لو میری دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہو گیا پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی

ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کر لی تو ان پر عذاب رب آ جائے گا ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنعانیہ تھی اور جس کا نام کسبی تھا جو صور نامی ایک رئیس کی بیٹی تھی جب وہ بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شلوم کے پاس سے گزری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا وہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔ دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہہ دیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے؟ آپ نے کہا بیشک۔ اس نے کہا اچھا میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا' اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے منہ کالا کرنے لگا۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا حضرت فنحاض بن عیزار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے جب آئے تو تمام حقیقت سنی تو بیتاب ہو کر غصے کے ساتھ اس بدکردار کے خیمے میں پہنچے اور اپنے نیزے میں ان دونوں کو پرو لیا اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے انہیں اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلے کہنی کوکھ پر لگائے ہوئے کہنے لگے یا اللہ ہمیں معاف فرما ہم پر سے یہ وبا دور فرما دیکھ لے ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں۔ ان کی دعا اور اس فعل سے طاعون اٹھ گیا لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار مر چکے تھے۔ دن کا وقت تھا اور کنعانیوں کی یہ لڑکیاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنو اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر اللہ کے عذاب آ جائیں۔ بنو اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دست اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلے پھل فنحاص کی اولاد کو دیا کرتے ہیں۔ اسی بلعام بن باعوراء کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ خالی ہے تو ہانپتا ہے اور دھتکارا جائے تو ہانپتا رہتا ہے۔ یا تو اس مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان نیچے کو لٹک پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی کتے کی طرح ہانپتا رہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جمے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت' علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا جیسے کتے کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے خواہ اسے پاؤں تلے روندو خواہ چھوڑ دو۔ جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا [1] اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ [2] یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں۔ یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔ پھر اللہ عزوجل اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ تو انہیں پند و نصیحت کرتا رہ تاکہ ان میں سے جو عالم ہیں' وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آ جائیں یہ سوچیں کہ بلعام ملعون کا کیا حال ہوا دینی علم جیسی زبردست دولت کو جس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دیا۔ آخر نہ یہ ملا نہ وہ۔ دونوں ہاتھ خالی رہ گئے۔ اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ کی ہدایتیں پڑھ رہے ہیں' آپ کے اوصاف لکھے پاتے ہیں' انہیں چاہیے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اپنے مریدوں کو پھانس کر پھول نہ جائیں ورنہ یہ بھی اسی کی طرح دنیا میں

---

[1] [سورہ البقرہ: آیت ٦]　[2] [سورہ التوبہ: آیت ٨٠]

کھودیئے جائیں گے انہیں چاہے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اٹھائیں۔ سب سے پہلے تیری اطاعت کی طرف جھکیں اور اوروں پر حق کو ظاہر کریں۔

دیکھ لو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح صرف نگلنے اگلنے اور شہوت زنی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم وہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پورا کرنے میں لگ جائے وہ بھی کتے جیسا ہی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ہمارے لئے بری مثالیں نہیں اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو پھر لے لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ [1] پھر فرماتا ہے کہ گنہگار لوگ اللہ کا کچھ بگاڑتے نہیں۔ یہ تو اپنا ہی خسارہ کرتے ہیں۔ طاعت مولیٰ اتباع ہدی سے ہٹ کر خواہش کی غلامی دنیا کی چاہت میں پڑ کر اپنے دونوں جہان خراب کرتے ہیں۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

راہ راست پر تو وہی ہیں جنہیں اللہ ہدایت دے دے' اور جنہیں وہ بے راہ کر دے وہ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ○

ہدایت صرف اللہ کی توفیق سے: رب جنہیں راہ دکھائے انہیں کوئی بے راہ نہیں کر سکتا اور جسے وہی غلط راہ پر ڈال دے اس کی شومی قسمت میں کیا شک ہے؟ اللہ کا چاہا ہوتا ہے اس کا نہ چاہا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اس کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی۔ اللہ کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میری گواہی ہے کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں الخ۔ [2] (مسند احمد)

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور ہم نے بہت انسان اور جنات جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے سمجھتے بوجھتے نہیں ان کی آنکھیں بھی ہیں' لیکن ان سے دیکھتے بھالتے نہیں ان کے کان بھی ہیں لیکن سن گن ان میں بھی نہیں۔ یہ تو چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الھبة : باب لا یحل لا حد ان یرجع فی ھبته (۲۶۲۲) نسائی : کتاب الھبة (۳۷۰۰) ترمذی : کتاب البیوع (۱۲۹۸) مسند احمد (۱/ ۲۱۷)]

[2] [صحیح : ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی خطبة النکاح (۲۱۱۸) ترمذی : کتاب النکاح : باب ماجآء فی خطبة النکاح (۱۱۰۵) نسائی : کتاب التطبیق (۱۱۶۳) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاة (۸۹۹) مسند احمد (۱/ ۴۳۲)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابوداود ، صحیح ترمذی]

بعض انسان جانوروں سے بدتر: بہت سے انسان اور جن جہنمی ہونے والے ہیں اور ان سے ویسے ہی اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ مخلوق میں سے کون کیسے عمل کرے گا؟ یہ علام الغیوب کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم تھا۔ پس اپنے علم کے مطابق اپنی کتاب میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے ہی لکھ لیا۔ جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا یہ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے۔ [1] ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ ایک انصاری نابالغ بچے کے جنازے پر بلوائے گئے تو میں نے کہا مبارک ہو اس کو یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کی نہ برائی کا وقت پایا آپ نے فرمایا کچھ اور بھی؟ سن اللہ تعالیٰ نے جنت اور جنت والوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں جنتی مقرر کر دیا ہے حالانکہ وہ ابھی تو اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے اسی طرح اس نے جہنم بنائی ہے اور اس کے رہنے والے پیدا کیے ہیں انہیں اسی لئے مقرر کر دیا درآں حالیکہ اب تک وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں ہی ہیں۔ [2] بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے ماں کے رحم میں اللہ تعالیٰ اپنا فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے حکم سے چاروں چیزوں یعنی روزی، عمر، عمل اور نیکی یا بدی لکھ لیتا ہے۔ [3] یہ بھی بیان گزر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو پشت آدم سے نکالا تو ان کے دو حصے کر دیئے دائیں والے اور بائیں والے اور فرمادیا یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں اور تقدیر کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں کہ یہاں پورا بیان ہو جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ایسے خالی از خیر محروم قسمت لوگ کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے تمام اعضاء ہوتے ہیں لیکن قوتیں سب سے چھن جاتی ہیں۔ اندھے بہرے گونگے بن کر زندگی گڑھے میں ہی گزار دیتے ہیں اگر ان میں خیر باقی ہوتی تو اللہ اپنی باتیں انہیں سناتا بھی۔ یہ تو خیر سے بالکل خالی ہو گئے سنتے ہیں اور ان سنی کر جاتے ہیں آنکھیں ہی نہیں بلکہ دل کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔ رحمان کے ذکر سے منہ موڑنے کی سزا یہ ملی ہے کہ شیطان کے بھائی بن گئے ہیں، راہ حق سے دور جا پڑے ہیں مگر سمجھ یہی رہے ہیں کہ ہم سچے اور صحیح راستے پر ہیں۔ ان میں اور چوپائے جانوروں میں کوئی فرق نہیں۔ نہ یہ حق کو دیکھیں، نہ ہدایت کو دیکھیں، نہ اللہ کی باتوں کو سوچیں۔ چوپائے بھی تو اپنے حواس کو دنیا کے کام میں لاتے ہیں اسی طرح یہ بھی فکر عقبیٰ سے، ذکر رب سے، راہ مولا سے غافل، گونگے اور

---

[1] [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب القدر: باب حجاج آدم و موسیٰ (۲۶۵۳) ترمذی: کتاب القدر (۲۱۵۶) مسند احمد (۱۶۹/۲)]

[2] [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب القدر: باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ (۲۶۶۲) نسائی: کتاب الجنائز: باب الصلاۃ علی الصبیان (۱۹۴۶) ابوداؤد: کتاب السنۃ: باب فی ذراری المشرکین (۴۷۱۳) ابن ماجہ: مقدمۃ: باب فی القدر (۸۲) مسند احمد (۴۱/۶)]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق: باب ذکر الملائکۃ (۳۲۰۸) صحیح مسلم: کتاب القدر: باب کیفیۃ الخلق الآدمی (۲۶۴۳) ابن ماجہ: مقدمہ (۷۶) ابوداؤد: کتاب السنۃ (۴۷۰۸) ترمذی: کتاب القدر (۲۱۳۷) مسند احمد (۳۸۲/۱)]

اندھے ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ﴾ [1] الخ، یعنی ان کافروں کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو اس کے پیچھے چلا رہا ہے جو درحقیقت سنی ونتی خاک بھی نہیں صرف شوروغل تو اس کے کان میں پڑتا ہے۔ چوپائے آواز تو سنتے ہیں لیکن کیا کہا؟ اسے سمجھے ان کی بلا۔ پھر ترقی کر کے فرماتا ہے کہ یہ ظالم تو چوپایوں سے بھی بدترین ہیں کہ چوپائے گو نہ سمجھیں لیکن آواز پر کان تو کھڑے کر دیتے ہیں' اشاروں پر حرکت تو کرتے ہیں' یہ تو اپنے مالک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے' اپنی پیدائش کی غایت کو آج تک معلوم ہی نہیں کیا' جبھی تو اللہ سے کفر کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو اللہ کا مطیع انسان ہو وہ اللہ کے اطاعت گذار فرشتے سے بہتر ہے اور کفار انسان سے چوپائے جانور بہتر ہیں ایسے لوگ پورے غافل ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ
سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اللہ ہی کے لئے ہیں تمام بہترین نام پس ان ناموں سے تم اسے پکارا کرو انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں' وہ اپنے کئے کو تک کا بدلہ ضرور دیئے جائیں گے ○

اسمائے حسنیٰ: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کے ایک کم ایک سو نام ہیں انہیں جو محفوظ کر لے وہ جنتی ہے۔ وہ وتر ہے طاق کو ہی پسند فرماتا ہے۔ [2] (بخاری وغیرہ) ترمذی میں یہ ننانوے (۹۹) نام اس طرح ہیں۔ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِیُٔ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْكَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَكِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِیُّ الْمُبْدِیُٔ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِیْ الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالِیُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِیُ الْبَدِیْعُ

---

[1] [سورہ البقرہ: آیت ۱۷۱]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الدعوات: باب للہ مائۃ اسم غیر واحد (۶۴۱۰) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب فی اسماء اللہ تعالی و فضل من احصاھا (۲۶۷۷) مسند احمد (۲/۲۶۷)]

﴿الْبَاقِيُّ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ﴾ [1] یہ حدیث غریب ہے کچھ کمی زیادتی کے ساتھ اسی طرح یہ نام ابن ماجہ کی حدیث میں بھی وارد ہیں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ نام راویوں نے قرآن میں سے چھانٹ لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ یاد رہے کہ یہی ننانوے نام ہی اللہ کے ہوں اور نہ ہوں یہ بات نہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے کبھی بھی کوئی غم و رنج پہنچے اور وہ یہ دعا کرے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَآؤُكَ اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَآءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کے غم و رنج کو دور کر دے گا اور اس کی جگہ راحت و خوشی عطا فرمائے گا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ پھر کیا ہم اسے اوروں کو بھی سکھائیں؟ آپ نے فرمایا ہاں بیشک جو اسے سنے اسے چاہیے کہ دوسروں کو بھی سکھائے۔ [2] امام ابو حاتم بن حبان بستی رحمہ اللہ بھی اس روایت کو اسی طرح اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ امام ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ بھی اپنی کتاب الاحوذی فی شرح الترمذی میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کتاب و سنت سے جمع کئے ہیں جن کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی ہے واللہ اعلم۔ اللہ کے ناموں میں الحاد کرنے والوں کو چھوڑ دو جیسے کہ لفظ اللہ سے کافروں نے اپنے بت کا نام لات رکھا اور عزیز سے مشتق کر کے عزیٰ نام رکھا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جو اللہ کے ناموں میں شریک کرتے ہیں انہیں چھوڑ و۔ جو انہیں جھٹلاتے ہیں ان سے منہ موڑ لو۔ الحاد کے لفظی معنی ہیں درمیانے سیدھے راستے سے ہٹ جانا اور گھوم جانا۔ اسی لئے بغلی قبر کو لحد کہتے ہیں کیونکہ سیدھی کھدائی سے ہٹا کر بنائی جاتی ہے۔

﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ (۱۸۱) ع ۲۲/۱۲

ہماری مخلوق میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی پر انصاف کرتے ہیں ○

امت محمد کے اوصاف: یعنی بعض لوگ حق و عدل پر قائم ہیں۔ حق بات ہی زبان سے نکالتے ہیں۔ حق کام ہی

---

[1] [ضعیف: ترمذی: کتاب الدعوات (۳۵۰۷) صحیح ابن خزیمة کما فی تلخیص الحبیر (۱۹۰/٤) شرح السنة للبغوی (۱۲۵۷) بیهقی فی السنن الکبری (۲۷/۱۰)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی، السلسلة الضعیفة (۲۵٦۳)] شیخ عبدالقادر ارناؤوط بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [التعلیق علی الاذکار للنووی (۸٥/۱)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، ولید بن مسلم مدلس کے سماع مسلسل کی تصریح نہیں ہے۔]

[2] [صحیح بالشواهد: مسند احمد (۳۹۱/۱ - ٤٥۲) ابن ابی شیبة (٤۷/۷) مسند ابویعلی (۵۲۹۷) صحیح ابن حبان (۹۷۲) مستدرك حاكم (۵۰۹/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے شواہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (۱۹۹)، (۳۵۲۸)]

کرتے ہیں، حق کی طرف ہی اوروں کو بلاتے ہیں، حق کے ساتھ ہی انصاف کرتے ہیں اور بعض آثار میں مروی ہے کہ اس سے مراد امت محمدیہ ہے چنانچہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تو فرماتے کہ یہ تمہارے لئے ہے تم سے پہلے یہ وصف قوم موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ (1) ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت میں سے ایک جماعت حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم اتریں وہ خواہ کبھی بھی اتریں۔ (2) بخاری و مسلم میں ہے آپ فرماتے ہیں میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ظاہر رہے گا انہیں ان کی دشمنی کرنے والے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے (3) ایک اور روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے گا وہ اسی پر رہیں گے۔ (4) ایک روایت میں ہے (اس وقت) وہ شام میں ہوں گے۔ (5)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں ○ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ○

دنیوی ترقی وخوشحالی نجات کی ضامن نہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے ابواب رزق کھل جائیں گے۔ دنیوی مفاد زیادہ ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ اسی دھوکے میں رہیں گے اور یہ گمان کرنے لگیں گے کہ ان کی ہمیشہ یہی حالت رہے گی۔ جیسا کہ فرمایا ”انہوں نے جب ہماری یاد بھلا دی تو ہم نے ابواب رزق ان پر کھول دیئے اور جب وہ غرور میں اتر آئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہو کر رہ گئے“۔ ان ظالموں کی نسل ہی قطع کر دی گئی۔ حمد کے لائق تو اللہ رب العالمین ہی ہے۔ (6) اسی لئے فرمایا کہ ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں۔ ہماری سیاست بہت قوی ہوتی ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ ان کا جن سے سابقہ ہے ان کو ذرا بھی جنوں نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں ○

---

(1) [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۴۷۰) الدر المنثور للسیوطی (۲۷۲/۳)]

(2) [مرسل وضعیف : الدرالمنثور للسیوطی (۲۷۲/۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۵۸۹/۵)]

(3) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب قوله لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق (۱۹۲۳)]

(4) [صحیح : صحیح مسلم (۱۷٤)]

(5) [صحیح : بخاری : کتاب التوحید (۷٤٦۰)]

(6) [سورہ الانعام: آیت ٤٥]

نبی کریم ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر: ان تکذیب کرنے والوں نے یہ بھی غور نہ کیا کہ ان کے رفیق (محمد ﷺ) کو در حقیقت کوئی جنون نہیں، جیسے فرمان ہے ﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ﴾ [1] الخ آؤ میری ایک بات تو مان لو ذرا سی دیر خلوص کے ساتھ اللہ کو حاضر جان کر اکیلے اکیلے غور تو کرو کہ مجھ میں کون سا دیوانہ پن ہے؟ میں تو تمہیں آنے والے سخت خطرے کی اطلاع دے رہا ہوں کہ اس سے ہوشیار رہو جب تم یہ کرو گے تو خود اس نتیجے پر پہنچ جاؤ گے کہ میں مجنون نہیں بلکہ اللہ کا پیغام لے کر تم میں بھیجا گیا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے۔ قریش کو جمع کیا اور ایک ایک قبیلہ کا نام لے لے کر بلانے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب اور حادثات متوقعہ سے انہیں ڈرایا تو بعض بیوقوف کہنے لگے کہ یہ تو کچھ دیوانے سے معلوم ہوتے ہیں۔ صبح تک بکواس کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت اتری تھی۔ [2]

اَوَلَمۡ يَنۡظُرُوۡا فِىۡ مَلَـكُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ ۙ وَّاَنۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ‌ ۚ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۸۵

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور اس بات پر کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو۔ پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ ○

موت کسی لحہ بھی آسکتی ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ ہماری نشانیوں کو جھٹلانے والے کیا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ہمیں کیسا غلبہ حاصل ہے آسمانوں اور زمین پر اور ان میں جو کچھ ہے ان سب پر۔ انہیں چاہیے تھا کہ اس پر تدبر وتفکر کرتے اور عبرت لیتے اور اس نتیجہ پر پہنچتے کہ یہ سب اس کا ہے جس کا کوئی نظیر وشبیہ نہیں وہی اس بات کا مستحق ہے کہ عبادت اور خلوص صرف اسی سے برتیں اور اس کے رسول کی تصدیق کریں، اس کی اطاعت کی طرف جھک جائیں، بتوں کو نکال پھینکیں، اور اس بات سے ڈریں کہ موت قریب ہے اگر کفر ہی پر مر جائیں گے۔ تو عذاب الیم کے مستحق ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ اب اس کے بعد پھر اور کونسی تخویف اور ترہیب چاہیے کہ جو دھمکی آئی ہوئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہے اگر وہ اس وحی وقرآن کی تصدیق نہ کریں جو محمد ﷺ نے پیش کی ہے تو پھر کس بات کی تصدیق کریں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا شب معراج میں میں نے دیکھا کہ آسمان ہفتم تک جب میں پہنچا اور اوپر نظر کی تو رعد وبرق دیکھے۔ اور ایسی قوم پر سے میرا گذر ہوا جن کے پیٹ مٹکوں کی طرح پھولے ہوئے تھے ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں اور جب اس سے پہلے آسمان پر اترا تو میں نے اپنے سے نیچے کی طرف نظر ڈالی تو ایک دھند اور دھواں تھا اور شور وغوغا برپا تھا۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرائیل علیہ السلام یہ کیا

---

[1] [سوره سبا: آیت ٤٦]

[2] [**مرسل وضعيف**: تفسير ابن جرير الطبری (١٥٤٧٢)]

ہے؟ تو کہا یہ وہ شیاطین ہیں جو انسانوں کی آنکھوں کے سامنے گھومتے رہتے تھے۔ اور آڑ بن جاتے ہیں کہ ارض واسماء کے ملکوت میں انسان نظر ہی نہ کر سکے اگر یہ حائل نہ ہوتے تو انسان آسمان کی عجیب عجیب باتیں دیکھتا۔ (1)
اس کے ایک راوی علی بن زید بن جدعان سے بہت سی منکر روایات بھی منسوب ہیں۔

مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ۝۱۸۶

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے ○

جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں: اللہ تعالیٰ نے جس کے نام گمراہی لکھ دی اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا' وہ کتنی ہی نشانیاں دیکھے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ جس کو اللہ تعالیٰ فتنے میں ڈالے اس کو کون راہ راست پر لائے۔ (2) جیسا کہ فرمایا دیکھو آسمانوں اور زمین میں ہماری کیا کچھ نشانیاں ہیں۔ لیکن نشانیاں' معجزات اور دھمکیاں کوئی چیز بھی ان کافروں کو مفید نہیں پڑتی۔ (3)

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰٮهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ ۚ لَا يُجَلِّيۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَا تَاۡتِيۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً ؕ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنۡهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۸۷

وقف لازم

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا۔ وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○

وقوعِ قیامت اور علاماتِ قیامت: یہ آیت قریش کے متعلق اتری ہے' یا یہود کی ایک جماعت سے متعلق۔ لیکن پہلی بات زیادہ درست ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہود تو مدینے میں رہتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کا وقت تم سے پوچھتے ہیں سو اس کا یقین نہ کریں گے' تکذیب کے انداز میں پوچھتے ہیں جیسا کہ اس آیت کے انداز بیان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ ہوگی کب اور کس تاریخ کو؟ اور فرمایا کہ یہ کافر قیامت کو جلدی مانگتے ہیں' حالانکہ مومن تو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرتے ہیں اور یقین رکھے ہوئے ہیں کہ اس کا آنا حق

---

(1) [ضعيف: مسند احمد (۲/۳۵۳) المزی فی تهذیب الکمال (۳۳/۷۴۴٤) ابن ابی شیبة (۸/٤٤٦)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (۲/۱۹۷)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ابوصلت راوی مجہول اور علی بن زید ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۳۳٦۰)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (۸٦٤۰)]

(2) [سوره المائده: آیت ٤١] (3) [سوره یونس: آیت ۱۰۱]

ہے اور جو لوگ قیامت میں شک کرتے ہیں، بڑی گمراہی میں ہیں، [1] اور فرمایا ''بتاؤ وہ کس تاریخ کو ہوگی۔ اور دنیا کب ختم ہو جائے گی، اور پھر گھڑی قیامت کی کونسی ہے؟'' تو اے نبی (ﷺ) کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا کہ اے نبی اکرم (ﷺ) وہ وقت قیامت پوچھیں تو بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دو کہ اس کے وقت کی تحدید تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے فرمایا ﴿ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ یعنی زمین وآسمان والے اس کے علم سے بے بہرہ ہیں۔ حسن رحمہ اللہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو اہل ارض وسماء پر بہت بھاری گزرے گی۔ [2] ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہوگی جس کو قیامت کا ضرر نہ پہنچے گا۔ آسمان پھٹ جائیں گے ستارے ٹوٹ پڑیں گے، سورج تاریک ہو جائے گا، پہاڑ اڑ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہا ہے وہ سب ہوگا۔ آسمان والوں کو بھی اس کا علم نہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ اچانک آ جائے گی، لوگوں کو اس کا سان وگمان بھی نہ ہوگا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی کہ ایک وقت سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ کافر یہ عجیب بات اور اس پیش گوئی کی صداقت دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ لیکن کسی کو بھی اس وقت کا ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ یا گنہگاروں کو اب نیک کام کرنا کوئی نتیجہ نہ بخشے گا۔ دو آدمی کپڑے کا لین دین کر رہے ہوں گے اس غرض سے کپڑے کا تھان کھولا جا رہا ہوں گے۔ دودھ دوھ کر پیا بھی نہ گیا ہوگا۔ لوگ پینے کے پانی کی ٹینکی صاف ہی کر رہے ہوں گے، نوالہ منہ کی طرف لے جا رہا ہوگا کہ ناگہاں قیامت شروع ہو جائے گی۔ [3]

﴿یَسۡـَٔلُوۡنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنۡهَا﴾ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ یعنی وہ قیامت کا راز تم سے ایسے پوچھتے ہیں گویا تم ان کے بڑے دوست ہو اور اس انداز میں پوچھتے ہیں گویا قیامت کی تاریخ وقوع سے تم واقف ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس راز کو کسی مقرب ترین فرشتے یا اپنے کسی رسول پر بھی ظاہر نہیں کیا۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قریش حضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ تمہارے ہمارے درمیان تو رشتہ داری ہے ہمیں تو بتا دیجئے کہ قیامت کب آ رہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ کہہ دو کہ اس کا علم فقط اللہ تعالیٰ کو ہے۔

جو لوگ نبی کریم ﷺ سے وقت قیامت پوچھتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ نبی کو بھی اس کا علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا علم نہیں رکھتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں حضرت ﷺ کے پاس آئے تا کہ امور دین کی تعلیم لوگوں کو حاصل ہو سکے۔ اور ایک طالب ہدایت سائل کے انداز میں حضرت ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ ﷺ سے اسلام کے بارے میں پوچھا۔ پھر ایمان اور احسان سے متعلق دریافت کیا۔ پھر پوچھا کہ قیامت

---

[1] [سورہ الشوری: آیت ۱۸]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۶/۱۳۸)]
[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الرقاق (۶۵۰۶) مسند احمد (۲/۳۶۹)]

کب آنے والی ہے۔ اس چوتھے سوال کے جواب میں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس بارے میں مجھ کو تم سے زیادہ علم نہیں، یعنی جیسے تم ناواقف ہو میں بھی ناواقف۔ اور کوئی شخص بھی اس بارے میں کچھ نہیں جان سکتا۔ پھر حضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [1] اور ایک روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے بہ شکل اعرابی آپ سے قیامت کی نشانیاں پوچھیں۔ آپ نے نشانیاں بتادیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ حضرت ﷺ کے ہر جواب پر وہ اعرابی کہتا گیا کہ آپ صحیح فرمارہے ہیں۔ گویا کہ وہ جانتا ہے اور بات کی صداقت کا اعتراف کررہا ہے۔ اس انداز تصدیق پر صحابہ نے تعجب کیا کہ یہ کیسا سائل ہے کہ خود ہی سوال کررہا ہے اور خود ہی جواب پر تصدیق کررہا ہے۔ پھر یہ سائل چلا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرائیل (علیہ السلام) تھے اور اس بہانے تم لوگوں کو مسائل دین اور معتقدات کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ [2] اس سے پہلے جب کبھی یہ صورت بدل کر آتے رہے میں پہچانتا رہا اور اس دفعہ تو میں نے نہیں پہچانا تھا۔ میں نے آغاز شرح بخاری میں اس حدیث کو بیان کردیا ہے۔ اور جب ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا اور بلند آواز میں آپ کو پکارا کہ یا محمد ﷺ! تو آپ ﷺ نے بھی بلند آواز میں جواب دیا ''ہاں کیا ہے؟'' تو اس نے کہا قیامت کب آنے والی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ناداں! قیامت جب آئے گی ضرور آئے گی۔ لیکن تم بتاؤ کہ اس کے لئے تم نے کیا تیاری کررکھی ہے؟ کہا بڑی بڑی نمازیں اور روزے تو خیر نہیں ہوسکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے مجھے بہت محبت اور شغف ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ رہے گا کہ جس کو زیادہ چاہتا ہو۔ [3] اس حدیث کو سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بے انتہا خوش ہوگئے۔ بخاری و مسلم میں اکثر صحابہ کی روایتوں سے یہ حدیث متعدد طریقوں سے بیان ہوئی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی شخص ایسا سوال کرتا جس کی اس کو چنداں ضرورت نہیں اور اس کے لئے عبث ہے۔ تو آپ ﷺ جواب میں اس بات کی طرف اس کا رخ پھیردیتے جس کا جاننا اس کے لئے اپنے سوال سے کہیں ضروری ہوتا۔ تاکہ وہ اپنی ذات کو اس سے نمٹنے کا اہل بنالے' اور پہلے سے تیاری کررکھے اگرچہ اس کے تعین وقت سے واقف نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دیہاتی عرب لوگ حضرت ﷺ کے پاس آتے تو اکثر سوال کرتے رہتے کہ قیامت کب ہوگی۔ تو آپ ﷺ ان کے کسی بچہ کی طرف اشارہ کرکے کہتے کہ اگر اللہ

---

[1] [سورہ لقمان: آیت ۳۴]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب سؤال جبریل النبی (۵۰) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب الایمان و خصاله (۹۔ ۱۰) ابوداؤد: کتاب السنة : باب القدر (۴۶۹۵) ترمذی : کتاب الایمان : باب ماجاء فی وصف جبریل للنبی الایمان والاسلام (۲۶۱۰)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الادب : باب ماجاء فی قول الرجل ویلك (۶۱۶۷) صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب المرء مع من احب (۲۶۳۹) ترمذی : کتاب الزهد : باب ماجاء ان المرا مع من احب (۲۳۸۵) مسند طیالسی (۱۱۶۷)]

تعالیٰ نے اس کو زندگی دی تو یہ بوڑھا بھی نہ ہونے پائے گا کہ تمہاری قیامت تو آ جائے گی۔ گویا قیامت سے مراد موت ہوئی جو یہاں سے ہٹا کر تمہیں عالم برزخ میں لے جا چھوڑے گی۔ [1] اور بہت سی احادیث اسی مضمون کی الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، جو سب کی سب ایک ہی مضمون کی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ مقصد ان سب حدیثوں کا یہی ہے کہ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ لیکن وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ ''اس بچے کے بڑھاپے سے پہلے قیامت آ جائے گی'' یہ اطلاق بھی اسی تقید پر محمول ہے۔ یعنی مراد اس سے لوگوں کی موت کا وقت ہے۔ اپنی وفات سے ایک ماہ قبل آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے بارے میں مجھ سے تم لوگ پوچھتے رہتے ہو۔ اس کا علم تو خیر اللہ تعالیٰ کو ہے کہ قیامت آنے میں اور کتنی مدت ہے۔ لیکن میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ اس وقت زمین پر جتنے متنفس آباد ہیں سو سال بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ [2] تو گویا یہ مطلب ہوا کہ جیسے قیامت میں سب لوگ مر جائیں گے اسی طرح سو سال میں موجود سب لوگوں پر قیامت آ جائے گی۔ [3] گویا تعین وقت ہی اگر چاہتے ہو تو لو یہ تعین وقت ہے۔ اس طرح قیامت سے مراد اس ایک صدی کا اختتام تھا کہ بات کو اس ڈھنگ سے بیان کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا [4] کہ شب معراج میں ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر میرا گزر ہوا لوگ قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آ کر پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے۔ آپ نے بھی یہی فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے آپ نے بھی فرمایا کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ہے ہی نہیں۔ لیکن علامت یہ ہے کہ دجال نکلے گا۔ میرے ساتھ ایک دو شاخہ ہوگا وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا اور اللہ پاک اس کو ہلاک کر دے گا۔ حتیٰ کہ شجر اور حجر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان میری آڑ میں ایک کافر چھپا ہوا ہے۔ آ اور اس کو قتل کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کافروں کو ہلاک کر دے گا پھر لوگ اپنے اپنے شہروں اور وطنوں کو واپس ہو جائیں گے۔ ایسے وقت میں یاجوج اور ماجوج نکلیں گے ہر گوشے میں ابل پڑیں گے۔ شہروں کو پامال کرتے پھریں گے ہر چیز ان کے

---

1. [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الرقاق: باب سکرات الموت (٦٥١١) صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب قرب الساعة (٢٩٥٢)]

2. [صحیح: صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابه: باب بیان معنی قوله (٢٥٣٨) ترمذی: کتاب الفتن (٢٢٥٠) مسند احمد (٣/٣٢٢)]

3. [صحیح: صحیح بخاری: کتاب مواقیت الصلاة: باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشاء (٦٠١) صحیح مسلم (٢٥٣٧) ترمذی: کتاب الفتن (٢٢٥١) ابوداؤد: کتاب الملاحم: باب قیام الساعة (٤٣٤٨) مسند احمد (٢/٨٨)]

4. [مسند احمد (١/٣٧٥) تفسیر ابن جریر الطبری (١٧/٩١) ابی ابن شیبة (٨/٦٦٠) مستدرك حاكم (٢/٣٨٤)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ شیخ احمد شاکر نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ تاہم شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کے کچھ حصے کے شواہد بھی موجود ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (٣٥٥٦)]

آنے اور پھرنے سے برباد اور تلف ہوتی رہے گی۔ حتیٰ کہ چشموں پر پہنچیں گے تو چشموں کو خالی کر دیں گے۔ لوگ میرے پاس ان کی شکایت لے کر آئیں گے میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بددعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب یاجوج اور ماجوج کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ ہر جگہ کی فضا ان کی لاشوں کی سڑان کی بدبو سے مسموم ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا کہ پانی کا بہاؤ ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں لے جائے گا۔ اس وقت پہاڑ اکھڑ جائیں گے زمین پھیل جائے گی۔ اس وقت قیامت ایسی قریب ہو جائے گی جیسے نو مہینہ کی حاملہ کی جس کو لوگ نہیں جانتے کہ دن رات میں کس وقت زچگی ہو جائے۔ ① بڑے بڑے پیغمبر علیہم السلام بھی قیامت کا وقت نہیں جانتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی صرف اس کی علامتیں بتا دیں۔ کیونکہ اس امت کے آخری زمانے میں وہ اتریں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ فرمائیں گے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے اور یاجوج و ماجوج کو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے ہلاک کر دے گا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاؤں وہ یہ کہ اس کے سامنے بڑے فتنے اور ہرج مرج واقع ہوں گے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم فتنہ کا مفہوم تو سمجھتے ہیں، لیکن ہرج کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حبش کی عربی زبان میں اس کے معنی قتل پھر فرمایا کہ لوگوں میں اجنبیت اور بے پروائی اتنی بڑھ جائے گی کہ ایک شخص دوسرے کو کہے گا کہ میں نہیں پہچانتا۔ ② صحاح ستہ میں بات کو اس طریقے سے روایت نہیں کیا گیا ہے۔

ہمارے نبی امی سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نبی الرحمۃ اور نبی التوبہ ہیں، فرمایا ہے کہ "میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح ہیں۔" چنانچہ آپ نے کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کو جوڑ کر بتایا ③ گویا کہ میرے ساتھ قیامت لگی ہوئی ہے یعنی دونوں کے درمیان کوئی نبی ہونے والا نہیں۔ غرض یہ ہے کہ ﴿عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ صرف اللہ پاک کو ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے

---

① [ضعیف : ابن ماجہ : كتاب الفتن : باب فتنة الدجال و خروج عيسى ابن مريم (٤٠٨١) مسند احمد (٣٧٥/١) مستدرك حاكم (٤٨٨/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعيف ابن ماجه، السلسلة الضعيفة (٤٣١٨)] البتہ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور اسے ضعیف کہنے والے خطا پر ہیں۔]

② [صحیح لغیرہ : مسند احمد (٣٨٩/٥) مجمع الزوائد (٣١٢/٧)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (٢٣٣٠٦)]

③ [صحیح : صحيح بخارى : كتاب الرقاق : باب قول النبى بعثت انا والساعة كهاتين (٦٥٠٤) صحيح مسلم : كتاب الفتن : باب قرب الساعة (٢٩٥١) ترمذى : كتاب الفتن (٢٢١٤) مسند ابو يعلى (٢٩٢٥) مسند احمد (٢٢٢/٣)]

چاہا۔اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا۔اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو محض بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں ○

نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ سارے امور کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دو اور اپنے بارے میں کہہ دو کہ مستقبل کا علم مجھے بھی نہیں' ہاں اللہ تعالیٰ نے کچھ بتا دیا تو بتا دیتا ہوں۔ جیسا کہ سورۂ جن میں فرمایا''عالم الغیب کے علم غیب کو کوئی نہیں پا سکتا'' [1] اور اے نبی (ﷺ) کہہ دو کہ اگر میں غیب کی بات جانتا تو اپنے لئے بہت سا خیر جمع کر لیتا۔یعنی اگر مجھ کو اپنی موت کی خبر ہوتی کہ کب مروں گا تو کوشش کرتا کہ جلدتر بہت سے اعمال صالحہ کر لوں' ۔ یہ قول مجاہد رحمہ اللہ کا ہے اور ابن جریج رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات غور طلب ہے اس لئے کہ حضرت ﷺ کا ہر عمل اچھا ہی تھا اور جو عمل کرتے وہ مستقل طور پر پائیدار ہوتا۔ [2] سارے اعمال ایک ہی ڈھنگ کے تھے۔ ہر عمل میں آپ ﷺ کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتی۔غرض یہ کہ کوئی عمل بھی غیر عمل صالح نہ ہوتا۔ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ غیب کی باتیں جان لیتا تو لوگوں کی کس نوع کی بھلائی کس کام کے اندر ہوتی' تو اس سے ان کو آگاہ کر دیتا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خیر کے معنی مال کے لئے ہیں اور یہ مفہوم احسن ہے۔ یا یہ کہ جس خریداری میں فائدہ کا علم ہوتا تو وہ ضرور خریدتا اور کوئی چیز نہ بیچتا جب تک اس میں فائدہ کا علم نہ ہوتا۔غرض یہ کہ تجارت میں کبھی نقصان نہ اٹھاتا یا نہ اٹھانے دیتا۔ یا مجھے فقر و تنگ دستی کبھی نہ آنے پاتی۔بعض لوگوں نے یہ مطلب بھی لیا ہے کہ قحط آنے والا ہوتا تو بہت کچھ غلہ جمع کر رکھتا۔سستے زمانے میں خرید لیتا اور گرانی کے زمانے میں بیچتا اور مجھے غربت و مسکنت کبھی نہ چھوتی اور نقصان آنے سے پہلے اس سے بچ جاتا۔پھر آپ نے کہا میں صرف نذیر اور بشیر ہوں عذاب سے ڈرانے والا اور جنت کی بشارت دینے والا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کو تمہاری زبان پر آسان بنا دیا ہے تا کہ ارادۂ تقویٰ رکھنے والوں کو تم بشارت دو'اور جھگڑنے والے سرکش لوگوں کو ڈراؤ۔ [3]

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ
فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا
لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ
شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ ابنایا تا کہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی پھر

---

[1] [سورۃ الجن : آیت ۲۶]

[2] [**صحیح** : صحیح بخاری (۱۹۸۷) صحیح مسلم (۷۸۳) ابوداؤد (۱۳۷۰) مسند احمد (۴۳/۶)]

[3] [سورہ مریم: آیت ۹۷]

جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے جو کہ ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے ○ سو جب اللہ تعالیٰ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دی تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔ سو اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے ○

اولاد دینے والا اللہ مگر مشرک کے نزدیک غیر اللہ: ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا جہان کے لوگ آدم علیہ السلام کی نسل سے پیدا کیے گئے ہیں اور آدم علیہ السلام ہی سے ان کی بیوی حوا پیدا کی گئیں۔ انہیں دونوں سے نسل بڑھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور اتنا بڑھایا کہ تم لوگ خاندان اور قبیلے بن گئے اب تمہیں ایک دوسرے کے حقوق پہچاننا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نظروں میں تم میں شریف تر وہی ہوگا جو سب سے زیادہ محتاط عمل کرے۔ [1] ﴿لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ کے معنی ہیں تاکہ ایک دوسرے میں الفت پذیری رہے۔ اسی لئے فرمایا کہ ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ [2] یعنی تم دونوں کے دلوں میں محبت اور رحمت ڈال دی۔ دو روحوں میں جو محبت و رحمت ہوتی ہے وہ روجین کی باہمی الفت و موانست سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ساحر اکثر اپنے سحر کے ذریعہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیں غرض شوہر جب اپنی بیوی کے ساتھ فطری محبت کی بنا پر موانست و قربت اختیار کرتا ہے تو ابتداء وہ اپنے پیٹ میں ایک ہلکا سا بوجھ محسوس کرنے لگتی ہے۔ یہ آغاز حمل کا زمانہ ہوتا ہے اس وقت تو عورت کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ یہ حمل تو ابھی نطفہ یا علقہ اور مضغہ ہے یعنی نطفہ یا گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا۔ ابھی وہ ہلکی پھلکی ہوتی ہے۔ ایوب کہتے ہیں کہ میں نے حسن رحمہ اللہ سے ((مرت به)) کے معنی پوچھے تو کہا اگر میں عرب ہوتا اور اہل زبان ہوتا تو جانتا کہ اس کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اسی طرح وہ اس حمل کو چندے لئے پھرتی رہتی ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ حمل نمایاں ہوگیا۔ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حمل لئے ہوئے آسانی سے اٹھ بیٹھ سکتی ہے۔ [3] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ وہ ہے جب کہ خود اس کو شک ہے کہ مجھے حمل ہے بھی کہ نہیں۔ [4] غرض یہ کہ اس کے بعد جو عورت کو بوجھ اچھا خاصا محسوس ہونے لگتا ہے اور یقین حمل ہو جاتا ہے تو یہ ماں باپ دونوں اللہ تعالیٰ سے تمنا کرنے لگتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں صحیح سالم بچہ دے تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ماں باپ کو ڈر لگا ہوتا ہے کہ کہیں جانور کی شکل یا اعضاء کٹا غیر سالم بچہ نہ ہو جائے جیسا کہ بعض مرتبہ ہو جایا کرتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ یہ مطلب لیتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو لڑکا دے' کیونکہ مولود میں زیادہ صلاحیت والا مولود لڑکا ہی ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو صحیح سالم بچہ دیتا ہے تو اس کو بتوں کا حصہ بنا ڈالتے ہیں۔ اللہ کی ذات ایسے شرک سے بے نیاز ہے مفسرین نے یہاں بہت سے آثار و احادیث بیان کی ہیں جن کا ہم ذکر کریں گے ان پر روشنی ڈالیں گے۔ پھر ان شاء اللہ صحیح بات کی طرف رہنمائی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہے۔

---

[1] [سورہ الحجرات: آیت ۱۳]
[2] [سورہ روم: آیت ۲۱]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۶/ ۱۴۱۔۱۴۳)]
[4] [ایضا]

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ حوا کو جب وضع حمل ہوا تو ابلیس ان کے پاس آیا۔ان کا بچہ زندہ نہیں رہتا تھا تو حوا کو مشورہ دیا کہ بچہ کا نام عبدالحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے بچہ کا نام عبدالحارث رکھا اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی طرف کی وحی تھی اور حارث شیطان کا نام ہوتا ہے۔ [1] اس حدیث میں تین علتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ اس کا روای عمر بن ابراہیم ایک بصری شخص ہے۔

اگرچہ ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے اپنے قول سے مروی ہوئی ہے جو مرفوع نہیں۔ ابن جریر میں خود حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ تیسرے یہ کہ اس کے راوی حسن سے بھی اس آیت کی تفسیر اس کے سوا بیان کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ نہیں بلکہ بعض دوسرے مذہب والوں کا ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کا فعل بیان ہوا ہے کہ اپنی اولاد کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ اس آیت کی جو تفسیریں بیان کی گئی ہیں ان سب میں بہتر یہی تفسیر ہے۔ غرض تعجب کے لئے گنجائش یہ تھی کہ ایسا متقی اور پرہیز گار آدمی ایک آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث قول پیغمبر روایت کرے پھر اس کے خلاف خود تفسیر کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ وہ سمرہ کا اپنا قول ہے۔ اس کے بعد یہ خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ سمرہ نے اہل کتاب سے ماخوذ کیا ہے، جیسے کعب اور وہب وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ انشاء اللہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

غرض اس حدیث کا مرفوع ہونا تسلیم نہیں ہوسکتا۔ اب دوسری احادیث بھی اس بارے میں ہیں، یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حوا سے جو اولاد ہوتی تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کا نام عبداللہ، عبیداللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام و حوا کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر اپنی اولاد کا کچھ دوسرا نام رکھا کرو گے تو وہ زندہ رہے گا۔ اب حوا کا بچہ ہوا تو نام عبدالحارث رکھا۔ اسی سے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ﴾ تا آخر۔ حوا علیہا السلام کو شک تھا کہ حمل ہے یا نہیں۔ غرض جب وہ حمل سے بوجھل ہوگئی تو ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر جیتا جاگتا صالح بچہ ہوگا تو ہم بڑا شکر کریں گے۔ اب شیطان ان دونوں کے پاس آیا اور کہنے لگا تمہیں کیا خبر کہ کیسا بچہ پیدا ہوگا، جانور کی شکل وصورت کا ہوگا یا انسان۔ ایک غلط بات ان کی نگاہوں میں اچھی بنا کر پیش کی اور شیطان تو دھوکا دینے والا ہے ہی۔ اس سے پہلے دو بچے ہو چکے تھے اور مر چکے تھے۔ شیطان نے انہیں سمجھایا کہ اگر تم میرے نام پر اس کا نام نہ رکھو گے تو نہ وہ ٹھیک پیدا ہوگا اور نہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

---

[1] [ضعیف: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الاعراف (۳۰۷۷) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۵۲۴) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۶۳۷/۵) طبرانی (۶۸۹۵/۷) مستدرك حاكم (۵۴۵/۲) ابن عدی فی الكامل (۱۷۰۰/۵)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ترمذی، السلسلة الضعيفة (۳۴۲)]

جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا پر صحیح سالم بچہ دیا تو اس کا نام عبد الحارث رکھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ ان آیتوں میں اسی کا بیان ہے اور ایک روایت میں ہے کہ پہلی دفعہ کے حمل کے وقت یہ (شیطان) آیا اور انہیں ڈرایا کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکلوایا اب تم میری اطاعت کرو ورنہ میرے کرتب سے اس کے سینگ پیدا ہو جائے گا اور وہ پیٹ پھاڑ کر نکلے گا اور یہ ہوگا وہ ہوگا' غرض انہیں بہت خوف زدہ کر دیا مگر انہوں نے اس کی بات نہ مانی اللہ تعالیٰ کی مصلحت بچہ مردہ پیدا ہوا۔ دوسرا حمل ہوا پھر بھی بچہ مردہ پیدا ہوا۔ اب کے ابلیس نے آ کر اپنی بہت خیر خواہی جتلائی۔ بچے کی محبت غالب آ گئی اور اس کا نام انہوں نے عبد الحارث رکھ دیا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے۔ جیسے مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' قتادہ اور سدی۔ اسی طرح سلف سے لے کر خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے جن کی بابت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کی باتوں کو نہ سچی کہو نہ جھوٹی۔ [1] ان کی روایتیں تین طرح کی ہوتی ہیں ایک تو وہ جن کی صحت کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسری وہ جن کی تکذیب کسی آیت وحدیث سے ہوتی ہے۔ تیسری وہ جن کی بابت کوئی ایسا فیصلہ ہمارے دین میں نہ ملے تو بقول حکم حدیث اس کے بیان میں تو کوئی حرج نہیں۔ [2] لیکن اس کی تصدیق وتکذیب نہیں کرنی چاہیے۔ میرے نزدیک تو یہ اثر دوسری قسم کا ہے یعنی ماننے کے قابل نہیں اور جن صحابہ یا تابعین سے یہ مروی ہے انہوں نے اسے تیسری قسم کا سمجھ کر روایت کر دیا ہے۔ لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں کہ جو حضرت حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مشرکوں کا اپنی اولاد میں اللہ کا شریک بنانے کا بیان ان آیتوں میں ہے نہ کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شرک سے بلند وبالا ہے۔ ان آیتوں کا ذکر کر کے اس سے پہلے آدم وحوا علیہما السلام کا ذکر مثل تمہید کے ہے کہ ان اصلی ماں باپ کا ذکر کر کے پھر اور ماں باپ کا ذکر ہوا اور انہیں کا شرک بیان ہوا۔

اب شخصی وانفرادی ذکر ختم کر کے جنس کے ذکر کی طرف بات کا رخ پھیرا جاتا ہے۔ جیسے "ہم نے آسمان کی دنیا کو ستاروں سے زینت دی اور پھر انہیں ستاروں کو شیطان مار بھگانے کے کام میں لایا"۔ [3] اور یہ ظاہر ہے کہ جو ستارے زینت کے ہیں وہ جھڑتے نہیں' ان سے شیطانوں پر مار نہیں پڑتی' یہاں بھی بات کا رخ یوں پھیرا جاتا ہے کہ تاروں کی شخصیت سے تاروں کی جنس کی طرف۔ اس کی اور بہت سی نظیریں قرآن میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔"

---

[1] [ضعیف: ابوداؤد: کتاب العلم: باب روایة حدیث اهل الكتاب (٣٦٤٤) مسند احمد (١٣٦/٤)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود، السلسلة الضعيفة (١٩٩١)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبياء: باب ماذكر عن بنی اسرائیل (٣٤٦١) ترمذی: کتاب العلم: باب ماجآء فی الحدیث عن بنی اسرائیل (٢٦٦٩) مسند احمد (٢٠٢/٢)]

[3] [سورہ الملك: آیت ٥]

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ

اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ

اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ

يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ

اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ

وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ

اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی کو بنا نہ سکیں اور وہ خود ہی بنائے جاتے ہیں ○ اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے اور وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے ○ اور اگر تم ان کو صحیح بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو ○ واقعی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں۔ سو تم ان کو پکارو، پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو تھام سکیں۔ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے شرکاء کو بلا لو پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو ○ یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی۔ اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے ○ اور تم جن لوگوں کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں ○ اور ان کو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو اس کو نہ سنیں۔ اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے ○

غیر اللہ سے مدد مانگنے والے خسارے میں: وہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے بجائے اوثان واصنام کی عبادت کرتے ہیں انہیں تنبیہ ہو رہی ہے کہ یہ اصنام بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں ایک بنائی ہوئی چیز ہیں۔ کسی بات کی بھی ان کو مقدرت نہیں نہ وہ کسی کو مضرت پہنچا سکتے ہیں۔ نہ نفع نہ ان میں دیکھنے کی طاقت ہے نہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں' بلکہ یہ بت تو جمادات میں سے ہیں حرکت تک نہیں کر سکتے بلکہ ان کی عبادت کرنے والے ان سے کہیں افضل ہیں کہ سن سکتے ہیں' چھو سکتے ہیں' پکڑ سکتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ وہ کیا ان پتھروں کے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں جیسا کہ فرمایا' اے لوگو! ایک مثل بیان کی جاتی ہے' سنو یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں وہ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے

خواہ سب کے سب ہی مل کر کیوں نہ کوشش کریں' بلکہ مکھی اگر ان کے کھانے کی کوئی چیز لے اڑے تو وہ اس سے واپس تک نہیں لے سکتے' طالب اور مطلوب دونوں کس قدر ضعیف و بے قدرت ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا قوی اور عزیز ہے۔ (1) مکھی ایک حقیر غذا بھی ان سے لے اڑے تو اس سے چھڑانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس کی یہ صفت ہو وہ کیسے رزق دے گا یا مدد کرے گا۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ﴾ (2) کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کو خود گھڑتے ہو۔ پھر فرمایا کہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ان کے ساتھ برا برتاؤ کرے تو خود اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔ جیسے حضرت خلیل علیہ السلام اپنی قوم کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیتے تھے اور ان کی انتہائی اہانت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مار مار کر ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے لیکن بت خانہ کے سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا تاکہ لوگ آ کر اس بڑے بت سے پوچھ لیں کہ یہ کیا ہوا اور کس نے کیا۔ (3)

معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ دونوں جوان تھے' مسلمان ہو چکے تھے۔ مدینہ میں رات کے وقت مشرکین کے بتوں کے پاس جاتے اور ان کو توڑ دیتے۔ اگر وہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تو ان کو توڑ کر جلانے کے لئے بیوہ غریب عورتوں کو دے دیتے۔ تاکہ ان کمبخت مشرکین کو کچھ عبرت ہو اور اپنے عمل اور عقیدے پر کچھ غور کریں۔ عمرو بن جموح اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس کا ایک بت تھا وہ اس بت کی عبادت کرتا تھا اس کو خوشبوئیں ملتا تھا۔ وہ دونوں نوجوان رات کے وقت اس کے بت خانے میں جاتے' اس کے سر پر غلاظت کرتے۔ عمرو بن جموح آتا تو بت کو اس کیفیت میں دیکھتا تو اس کو دھوتا خوشبوئیں ملتا اور اس کے پاس تلوار رکھ دیتا اور کہتا کہ اس سے مدافعت کر۔ دوبارہ یہ لوگ ایسا ہی کرتے اور ابن جموح پھر دھوتا صاف کرتا پھر اس کے پاس تلوار رکھتا۔ آخر کار ایک دن ان دونوں نے اس بت کو نکالا اور ایک کتے کی لاش سے باندھ دیا اور ایک رسی کے ذریعہ ایک کنویں میں لٹکا دیا۔ جب عمرو بن الجموح آیا اور یہ کیفیت دیکھی تو اس کو عقل آ گئی کہ وہ بت پرستی کے اندر اعتقاد باطل رکھتا ہے' چنانچہ وہ کہنے لگا کہ۔ ''اگر تو سچ مچ رب ہوتا تو کنویں میں کتے کے ساتھ پڑا نہ ہوتا'' پھر وہ اسلام لے آیا اور اچھا مسلم رہا اور جنگ احد میں شہید ہوا۔ (4)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ کبھی تمہاری پیروی نہ کریں۔ یعنی یہ بت کسی کی پکار کو نہیں سن سکتے' ان کو پکارنا نہ پکارنا برابر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ ''اے باپ! عبادت نہ کر والیسی مورتی کی جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ تمہارا کچھ کام نکالتی ہے۔'' (5) پھر فرمایا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جیسے یہ بت پرست' بلکہ یہ بت پرست ہی ان بتوں سے اچھے کہ سنتے' دیکھتے اور چھوتے تو ہیں' پھر فرمایا کہ اچھا اپنی مدد کے

---

(1) [الحج: ۷۳، ۷٤] (2) [الصافات: ۹٥] (3) [الانبیاء: ٥۸]

(4) [سیرة ابن هشام (۳٥٤/۱) دلائل النبوة للبيهقي (٤٥٦/۲) الاصابة لابن حجر (۹٤/۷)]

(5) [سوره مریم: آیت ٤۲]

لئے اپنے شریکوں کو بلاؤ اور مجھے چشم زدن کی بھی مہلت نہ دو اور میرے خلاف جی کھول کے کوشش کر دیکھو۔ میرا مدد گار وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی وہ نیکوکاروں کا والی ہے' وہی اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ووافی ہے' وہی میری مدد کرے گا اسی پر میرا بھروسہ ہے' میں مجبور ہوں تو اسی کا ہوں۔ وہ دنیا و آخرت میں نہ صرف میرا بلکہ میرے بعد بھی ہر نیکوکار کا سرپرست ہے۔ جیسا کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے جواب میں فرمایا تھا جب کہ آپ کی قوم نے آپ پر یوں تہمت باندھتی کہ تم پر ہمارے خداؤں کی کچھ مار پڑی ہے جبھی تو تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی گواہی دیتا ہوں اور صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ میں تمہارے شرکاء سے نفرت و بیزاری ظاہر کرتا ہوں' اچھا تم سب مل کر میرے ساتھ کچھ شرارت کر دیکھو اور ہاں دم بھر کے لئے مجھے بچاؤ کی مہلت نہ دینا۔ تم میرا کیا بگاڑو گے۔ میرا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے وہ میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی نکیل اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ میرا رب سیدھے اور سچے طریق پر ہے۔ اور خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ ان بتوں کے بارے میں جن کی تم اور تمہارے آباء واجداد پرستش کرتے تھے۔ یہ لوگ تو میرے دشمن ہیں' مگر پروردگار میرا دوست ہے۔ اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ٹھیک راہ پر چلائے گا۔ اور جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں تو بری ہوں تمہارے خداؤں سے مگر اپنے رب کا میں عبادت گزار ہوں جس نے مجھے خلق کیا اور پھر میری ہدایت فرمائی اور اس کے پیچھے اس کو ایک کلمہ یادگار بنا چھوڑا شاید کہ یہ اپنی بات سے رجوع کریں' [1] اور اسی لئے فرمایا کہ وہ نہ تو تمہاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنی اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ خاک نہیں سنتے۔ تم ایسا سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف نظر کر رہے ہیں لیکن خاک کچھ نہیں دیکھتے۔ وہ اپنی تصویری آنکھیں تم سے دو چار کر رہے ہیں جیسے واقعی دیکھ رہے ہیں لیکن وہ تو بے جان چیز ہے۔ اسی لئے ان سے ایسا معاملہ کیا جو ایک صاحب عقل کرتا ہو۔ ان بتوں کی شکل تو تصویری شکل ہے اور انسان جیسے معلوم ہوتے ہیں تم دیکھتے ہو کہ گویا وہ تم کو گھور رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی طرف ھم کی ضمیر پھیر دی جو انسان کی طرف پھیری جاتی ہے۔ حالانکہ بے جان چیز ھا کی ضمیر کی مستحق ہوتی ہے۔ سدی اس سے بتوں کے بجائے مشرکین مراد لیتے ہیں لیکن پہلا ہی خیال صحیح ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے ○ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

عفو و درگزر کی ترغیب: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ ان کے وہ اموال جو ان کی ضروریات سے مستزاد ہیں اور وہ مال جو تمہیں لا دیں' وہ لے لو۔ اور یہ عمل درآمد سورہ برات میں فرائض صدقات

---

[1] [سورہ الزخرف: آیت ۲۶، ۲۸]

کی توضیح وتشریح سے پہلے تھا کہ صدقات آپ کے پاس پیش کیے جاتے تھے۔اور ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ کے معنی ہیں جو زیادتی ہے وہ خرچ کردو۔عفو کے معنی زیادتی کے کیے گئے ہیں۔زید بن اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں مشرکین سے عفوو درگزر کا حکم ہے۔دس سال تک یہ عفوودرگزر رہا پھر ان پر سختی کرنے کا حکم ہوا۔یہ ابن جریر رحمہ اللہ کا قول ہے۔مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے اخلاق اور اعمال سے درگزر کرو یعنی ان کے اعمال و اخلاق کا کھوج نہ کرو۔مراد یہ ہے کہ لوگوں سے درگزر کرو اور بری صحبت اختیار کرنے سے بچو۔اللہ تعالیٰ کی قسم جس کی صحبت میں اختیار کروں گا ضرور اس کی خو بو پکڑلوں گا۔سب اقوال میں یہی قول زیادہ بہتر ہے۔

عیینہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ پر یہ آیت اتاری ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ تو حضرت ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس سے کیا مقصد ہوا' تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو تمہاری ذات پر کوئی زیادتی کرے تو اس کو معاف کردیا کرو۔جو تم کو نہ دے تم اس کو دو جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو۔[1] اسی مضمون کی حدیث سے متعلق ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ﷺ سے ملاقات کی۔میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ !بہترین اعمال مجھے بتایئے۔آپ ﷺ نے فرمایا' اے عقبہ بن عامر!جو تم سے ہمدردی نہیں کرتا تم اس سے ہمدردی کرو' جو تم کو محروم رکھتا ہے تم اس کو عطا سے محروم نہ رکھو۔جو تمہاری ذات سے متعلق زیادتی کرے تم اس سے درگزر کرو اور بخش دو[2] ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ (معاف کردیا کرو اور نیک کاموں کی رہنمائی کیا کرو اور جاہل لوگوں سے انجان بن جاؤ) عرف کے معنی معروف کے ہیں۔صحیح بخاری میں ہے کہ عیینہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ہاں آ کر ٹھہرے۔حر بن قیس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درباری آدمی تھے وہ قرآن کریم کے ماہر تھے اور قاری علماء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاروت کے رکن تھے یہ علماء جوان بھی ہوتے تھے اور بوڑھے بھی۔عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا' اے بھتیجے تم کو امیر المومنین کے پاس رسوخ حاصل ہے' امیر سے اجازت لے لو میں ان سے مل لوں۔تو حر نے عیینہ کے لئے اجازت حاصل کرلی اور عمر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت دے دی۔جب عیینہ امیر المومنین سے ملے تو کہنے لگے یا ابن خطاب!تم نے ہم کو کافی روپیہ نہیں دیا نہ ہمارے ساتھ عدل سے کام لیا۔عدل کا نام سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضبناک ہوگئے اور قریب تھا کہ عیینہ کو مار بیٹھیں۔تو حر کہنے لگے اے امیر المومنین!اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ ''معاف کردیا کرو اور نیک مشورہ دیا کرو اور جاہلوں سے اعراض کیا کرو اور یہ جاہلوں میں سے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی قسم جب عمر رضی اللہ عنہ کے آگے یہ آیت تلاوت کی گئی تو وہیں رک گئے کوئی عقوبت نہیں کی'' وہ کتاب اللہ کے بڑے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۵۵۹) الدرالمنثور للسیوطی (۳/۲۸۰) فتح الباری (۳۰۵/۸)]

[2] [صحیح لغیرہ: مسند احمد (۱۴۸/۴) بیهقی فی شعب الایمان (۷۹۵۹) طبرانی کبیر (۲۶۹/۱۷)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (۸۹۱) صحیح الترغیب (۲۵۳۶)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (۱۷۳۳۴)]

واقف کار تھے۔ (۱) صرف بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ مروی ہے کہ سالم بن عبداللہ کا گزر اہل شام کے ایک قافلہ پر سے ہوا۔ قافلہ میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ تو کہا کہ گھنٹی بجانا ممنوع ہے کفار مندروں میں گھنٹی بجاتے ہیں تو اہل قافلہ نے کہا کہ اس بارے میں ہمیں تم سے زیادہ معلومات ہیں۔ ممانعت بڑے بڑے گھنٹوں کی ہے ان چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں میں کوئی حرج نہیں۔ تو سالم خاموش ہوگئے اور صرف اتنا کہا کہ ﴿أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ یعنی جاہلوں کے منہ نہ لگنا ہی بہتر ہے۔ کہا جاتا ہے ((اولیته معروفا" عارفا" وعارفة)) سب کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کار نیک۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ بندوں کو نیک کام کا حکم دو۔ لفظ معروف کے اندر جمیع طاعات داخل ہیں اور جاہلوں سے اعراض کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اگر چہ اس کے مامور بہ ظاہر نبی اکرم ﷺ ہیں لیکن درحقیقت سب ہی بندے مامور ہیں۔ اس کے ذریعہ بندوں کو ادب سکھایا جارہا ہے کہ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو اس کو برداشت کرلو۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے حقوق واجبی میں قصور کرے تو بھی اعراض کر جاؤ یا اللہ تعالیٰ سے کفر کرے یا وحدانیت سے جاہل رہے تو بھی درگزر کرو مسلمانوں سے اپنی جہالت کے سبب لڑے تو بھی خاموش ہو جاؤ غرض یہ کہ ایسی غلط فہمی نہ ہونا چاہیے یہ وہ اخلاق ہیں جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دی ہے۔ اس مضمون کو ایک عقلمند نے بہت عمدگی سے شعر میں لکھا ہے کہتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِعُرْفٍ ۔۔۔ كَمَا أُمِرْتَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ
وَلِنْ فِي الْكَلَامِ بِكُلِّ الْأَنَامِ ۔۔۔ فَمُسْتَحْسَنٌ مِّنْ ذَوِي الْجَاهِ لِيْنَ

"معاف کرنے کی عادت رکھو' نیک کاموں کی رہبری کیا کرو' اور جاہلوں سے اعراض کرو' ہر شخص کے ساتھ بات میں نرمی برتو اور بلند مرتبے والوں کے لئے بات میں نرمی برتنا اور بھی زیادہ مستحسن ہے۔"

بعض علماء کا مقولہ ہے کہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو مرد محسن کہ جو کچھ وہ خوشی سے تجھ پر احسان کرے۔ شکریہ کے ساتھ قبول کرلے اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار نہ ڈال کہ وہ خود دب کر رہ جائے۔ دوسرا بد قسم کا آدمی اس کو امر نیک کا مشورہ دیتا رہ۔ لیکن اگر اس کی گمراہی بڑھتی ہی جائے اور وہ اپنی جاہلیت پر قائم رہے تو اس سے اعراض کرلو۔ شاید یہی درگزر اس کی برائی سے اس کو روک دے' جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ بہترین طریق سے مدافعت کرو' اس طرح دشمن بھی تمہارے دوست بن جائیں گے' ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ اظہار خیال کرتے ہیں اور کہا کرو کہ اے اللہ تعالیٰ میں شیطان کے بہکاوے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے تیری پناہ کہ شیطانوں کا عمل دخل میرے پاس ہو۔ (۲) اور فرمایا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوا کرتے۔ مدافعت اور رد جواب اچھے ڈھنگ سے کیا کرو۔ یہ عمل وہی لوگ اختیار کرسکتے ہیں جو طبیعت کے صابر ہیں۔ نتیجہ میں ان کو بڑی کامیابی حاصل رہے گی' خوش قسمت ہی اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ (۳) اگر شیطان تمہارے دل میں وسوسے ڈالے اور

---

(۱) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب خذ العفو وامر بالعروف (٤٦٤٢)]

(۲) [المومنون: ٩٦-٩٧-٩٨] (۳) [فصلت: ٣٤، ٣٥]

بہکانے لگے یا تمہیں دشمن سے نمٹنے کے وقت غضب میں لائے اور اس جاہل سے اعراض کرنے سے تمہیں روک دے اور اس سے تصادم پر تمہیں آمادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے لگو جاہل کی تم پر زیادتی کو بھی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور تمہارے پناہ مانگنے کو بھی سن رہا ہے اس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں شیطان کے بہکاوے اور فساد انگیزیاں تم کو جس قدر نقصان پہنچا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے علیم وواقف ہے۔

جب ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ والی آیت اتری تو بندے نے کہا' یا الٰہی غصہ چڑھ جائے تو کس طرح عفو کیا جائے؟ تو ﴿ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ﴾ [1] والی آیت نازل ہوئی۔ ان دو آدمیوں کا واقعہ سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں آپس میں نبی اکرم ﷺ کے سامنے لڑ بیٹھے حتیٰ کہ ایک کے غصہ کے مارے نتھنے پھول گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ پڑھے تو اس کا غصہ تھم جائے' وہ کلمہ یہ ہے ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ اس کو یہ بات بتادی گئی تو کہا مجھے کچھ جنون نہیں ہے [2] نزغ کے اصلی معنی فساد کے ہیں یہ فساد خواہ غضب کی وجہ سے ہو یا غیر غضب سے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ''اے نبی (ﷺ) میرے بندوں سے کہہ دو کہ بات اچھے ڈھنگ سے کیا کرو' شیطان آپس میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ [3] عیاذ کے معنی ہیں شر سے پناہ مانگنا اور ملاذ طلب خیر میں ہوا کرتا ہے استعاذہ کی حدیثیں اول تفسیر میں پہلے گذر چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝٢٠١ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝٢٠٢ ﴾

یقیناً جو لوگ رب ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں' سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○ اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے لے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے ○

اللہ کے ذکر کے ساتھ شیطان سے بچاؤ: جن بندوں نے امر الٰہی کی اطاعت کی اور ممنوعات سے باز رہے ہیں اگر شیطانی وسوسے انہیں دامن گیر ہوتے ہیں تو فوراً انہیں اللہ ہی کی یاد آجاتی ہے۔ اس لفظ کو بعض طیف اور بعض طائف کہتے ہیں۔ یہ دونوں قراتیں مشہور ہیں اور معنی ایک ہی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ کچھ فرق بھی ہے۔ بعض نے اس کے معنی غضب بتائے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ شیطان نے اگر آسیب زدہ کر دیا ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ گناہ کی وجہ سے ندامت اور رنج۔ بعض نے کہا ہے کہ ارتکاب گناہ۔ ایسے لوگوں کو اللہ کی عقوبت' عطاء ثواب' اللہ کے وعدے اور وعید یاد آجاتے ہیں تو وہ توبہ کرنے لگتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاتے ہیں اور فوراً اس کی طرف رجوع کر

---

[1] [فصلت: ٣٦]

[2] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق: باب صفة ابلیس و جنوده (٣٢٨٢) صحیح مسلم: کتاب البر و الصلة: باب فضل من یملك نفسه عند الغضب (٢٦١٠) ابو داؤد: کتاب الادب: باب ما یقال عند الغضب (٤٧٨١)]

[3] [سورة الاسراء: آیت ٥٣]

کے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ وہ فوراً اہل بصیرت بن جاتے ہیں بے ہوشی میں تھے تو ہوش میں آ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی اس کو مرگی کی بیماری تھی۔ حضرت ﷺ کے پاس آ کر عرض کرنے لگی، یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے میری شفا کے لئے دعا فرمایئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہی تیری مرضی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ تجھے شفا دے دے گا اور اگر تو چاہے تو صبر کر اور بروز قیامت حساب تجھ سے اٹھ جائے۔ تو کہنے لگی، اچھا میں بیماری پر صبر کر لوں گی جب کہ مجھے حساب سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے صرع کی بیماری ہے ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہیں جسم پر سے کپڑا کھل جاتا ہے برہنہ ہو جاتی ہوں۔ بیماری دور نہ ہو تو نہ ہو دعا کیجئے کہ کم از کم میرا کپڑا نہ کھلنے پائے۔ آپ نے دعا فرمائی اور پھر کبھی بحالت صرع کپڑا اس کے جسم سے نہ ہٹا۔ (۱) کہتے ہیں کہ ایک نوجوان ایک مسجد میں بیٹھا عبادت کرتا رہتا تھا ایک عورت اس کی دیوانی ہوئی اس کو اپنی طرف مائل کرتی رہتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس کے گھر ہی آ گئی۔ اب فوراً اس کو یہ آیت یاد آ گئی ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ اور ساتھ ہی وہ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو پھر یہی آیت پڑھنے لگا، پڑھتے پڑھتے جان دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اس کے باپ سے تعزیت کی۔ وہ رات کو دفن کر دیا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ اپنے بعض ساتھیوں کو لے کر اس کی قبر پر گئے اس کی نماز مغفرت پڑھی پھر قبر سے مخاطب ہو کر یوں بولنے لگے، اے نوجوان ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ (۲) یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو جنتیں ہیں۔ اس آیت کریمہ کو سن کر قبر کے اندر سے آواز آئی کہ اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں جنتیں بخشی ہیں۔ قولہ تعالیٰ ﴿وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ﴾ یعنی ان کے ساتھی انسانی شیاطین ان کو گمراہی کی طرف اور گھسیٹے لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان ہے ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ یعنی فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں یعنی ان کے تابعین ان کی باتوں کو تسلیم کرنے والے انہیں اور گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں، معاصی ان پر آسان بناتے ہیں اور گناہوں کو ان کی نگاہوں میں مستحسن کر دکھلاتے ہیں۔ مد کے معنی زیادتی کے ہیں یعنی جہل اور گمراہی میں زیادتی کرتے ہیں ﴿ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ﴾ یعنی یہ کہ شیاطین اپنی کوشش میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نہ انسان اپنے اعمال بد کے صدور میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ شیاطین ان سے باز رہتے ہیں۔ گمراہی کی طرف کھینچ لے جانے والے جن و شیاطین ہیں جو اپنے انسانی اولیاء کی طرف اپنی وحی بھیجتے رہتے ہیں اور اس میں اپنی کوشش اٹھا نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ ان کی فطرت اور طبیعت ہی ایسی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا﴾ (۳) یعنی اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں کے پاس بھیجا جو ان کافروں کو معاصی کی طرف مائل کرتے ہیں۔

---

(۱) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المرضی: باب من یصرع من الریح (٥٦٥٢) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة: باب ثواب المومن فیما یصیبة من مرضی (٢٥٧٦) مسند احمد (٤٤١/٢)]

(۲) [سورہ الرحمن: آیت ٤٦] (۳) [سورہ مریم: آیت ٨٣]

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝

اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے۔ یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ○

قرآن کریم عظیم معجزہ: یہ لوگ کسی معجزے اور نشانی کے طالب ہوتے ہیں اور تم نہیں پیش کرتے ہو تو کہتے ہیں کہ کوئی نشانی تم نے خود کیوں نہیں بناڈالی۔ اپنی طرف سے کیوں نہ گھڑلیا یا آسمان سے کوئی نشانی کیوں نہ کھینچ لائے۔ آیت سے مراد معجزہ اور خرق عادت جیسا کہ فرمایا ''اگر ہم چاہیں تو آسمان سے معجزہ اتاریں جس کو دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں۔ (۱) یہ کافر بھی ہمارے رسول سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی حاصل کرنے کی تم کوشش کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم اس کو دیکھ لیں تو ایمان لائیں'' تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ کہہ دو کہ میں اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں جو مجھے حکم بھیجا گیا اس کی تعمیل کرنے والا۔ اگر اس نے از خود کوئی معجزہ بھیجا تو میں نے پیش کر دیا' اگر نہ بھیجا تو میں اصرار نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ یہ قرآن ہی سب سے بڑا معجزہ ہے اس میں دلائل توحید ایسے واضح ہیں کہ خود معجزہ بنے ہوئے ہیں۔ ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ﴾

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو ○

مسئلہ قراءت خلف الامام: جب اس بیان سے فراغت حاصل ہو چکی کہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے اور لوگوں کے لئے سمجھنے کی چیز ہے تو اب ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت خاموش رہا کرو تاکہ اس کا احترام اور تعظیم کی جا سکے ایسا نہیں جیسا کہ کفار قریش کرتے تھے یعنی نہ سنو نہ سننے دو قرآن خوانی کے وقت شور و غوغا مچایا کرو۔ (۲) لیکن یہ سکوت کی تاکید فرضی نماز کے بارے میں ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ امام بہ آواز بلند قراءت کر رہا ہو۔ جیسا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام نماز پڑھنے لگے' جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرنے لگے تو خاموش ہو جاؤ۔ (۳) حضرت

---

(۱) [سورہ الشعراء: آیت ٤] (۲) [سورہ فصلت: آیت ٢٦]

(۳) **صحيح**: صحيح مسلم: كتاب الصلاة: باب التشهد فى الصلاة (٤٠٤) ابوداود: كتاب الصلاة: باب التشهد (٩٧٣) نسائي: كتاب الافتتاح: باب نوع آخر من التشهد (٢٤٢/٢) ابن ماجه: كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها: باب اذا قرأ الامام فأنصتوا (٨٤٧) مسند احمد (٤١٥/٤)] ان الفاظ ﴿ **واذا قرء فانصتوا** ﴾ کے متعلق اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ شاذ ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان کی صحت میں اختلاف ہے۔ [شرح مسلم (١٦٢/٤)]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے اترنے سے پہلے لوگ نماز پڑھنے میں باتیں کرلیا کرتے تھے چنانچہ جب یہ آیت اتری کہ خاموش ہوجاؤ اور قرآن سنو تو سکوت کا حکم دیا گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں ایک دوسرے کو السلام علیکم کہہ لیا کرتے تھے' اس لئے یہ آیت اتری۔ [1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے لوگوں کو دیکھا کہ امام کے ساتھ خود بھی قرات کررہے ہیں تو نماز ختم کر کے کہا تمہیں کیا ہوگیا کہ قرآن سنتے نہیں سمجھتے نہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خاموش رہ کر سننے کی ہدایت فرمائی ہے۔ [2] زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی (یہ آیت مکی ہے اور انصار کے قبول اسلام سے پہلے کی نازل شدہ ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتا تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالجہر نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تم میں کوئی خود بھی میرے ساتھ ساتھ پڑھ رہا تھا تو ایک شخص نے کہا' ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کیا ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد لوگ صلوۃ بالجہر میں امام کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے' [3] زہری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ امام کی اپنی قرأت بھی تمہارے لئے کافی ہے اگرچہ اس کی آواز تمہیں سنائی نہ دے۔ لیکن نماز بالجہر نہ ہو' تو لوگ اپنے منہ میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ درست نہیں کہ کوئی شخص جہر نماز میں امام کے پیچھے قرات کرے' نہ پوشیدہ کرے نہ علانیہ کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن خوانی کے وقت خاموشی اختیار کرو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ طریقہ علماء کی ایک جماعت کا ہے کہ مقتدی پر نماز جہریہ میں یہ واجب نہیں ہے کہ قرات خود بھی کرے نہ امام کے فاتحہ پڑھنے کے وقت نہ غیر فاتحہ پڑھنے کے وقت اور شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں جن میں ایک قول یہ بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مقتدی ہرگز قرأت نہ کرے نہ سری نماز میں نہ جہری میں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ امام کی قرأت تمہاری قرات ہے۔ [4] یہی زیادہ صحیح

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۵۹۳)] اس کی سند ابراہیم ہجری راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۵۹۲)] اس کی سند ابن مسیب اور ابن مسعود کے درمیان منقطع ہے۔]

[3] [صحیح : ابوداؤد: کتاب الصلاۃ : باب من کرہ القرأۃ بفاتحۃ الکتاب اذا جھر الامام (۸۲۶) نسائی : کتاب الافتتاح : باب ترك القرأۃ خلف الامام (۹۱۸) ابن ماجہ : کتاب اقامۃ الصلاۃ : باب اذا قرا الامام فیما جھر (۸۴۹) ترمذی : کتاب الصلاۃ : باب ماجاء فی ترك القرأۃ خلف الامام (۳۱۲) مسند احمد (۲۸۴/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، المشکاۃ (۸۵۵)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف : ابن ماجہ : کتاب اقامۃ الصلاۃ : باب اذا قرا الامام فانصتوا (۸۵۰) مسند احمد (۳۳۹/۳) سنن دارقطنی (۳۲۳/۱) بیہقی (۱۶۰/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ [التلخیص الحبیر (۴۲۰/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں جابر جعفی راوی ضعیف رافضی ہے۔ تاہم شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ ارواء الغلیل (۸۵۰)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

ہے۔ یہ مسئلہ بہت بسیط ہے اور مختلف فیہ ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت واجب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ واللہ اعلم۔

قرآن پڑھا جانے لگے تو خاموشی سے سنو یعنی جب کہ صلوٰۃ مفروضہ میں پڑھا جا رہا ہو یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے طلحہ بن عبید اللہ بن کریز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح کو باہم باتیں کرتا پایا حالانکہ دوسری طرف وعظ ہو رہا تھا تو میں نے کہا کہ ذکر اللہ کیوں نہیں سنتے، تم وعید کے قابل ہو رہے ہو، تو ان دونوں نے میری طرف دیکھا پھر اپنی باتوں میں لگ گئے۔ میں نے دوبارہ انہیں تنبیہ کی۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں لگ گئے۔ میں نے تیسری بار اپنی بات کا اعادہ کیا تو کہنے لگے کہ یہ حکم نماز سے متعلق ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہو اور تم مقتدی ہو تو خاموش ہو کر سنو، تم بھی نہ پڑھنے لگو۔ مجاہد رحمہ اللہ اور دوسرے بھی کئی راوی اس حکم کو قرآن سے متعلق ہی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی شخص نماز میں نہ ہو اور قرآن پڑھا جا رہا ہو تو پھر باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حکم نماز اور خطبہ جمعہ سے متعلق ہے۔ ابن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یوم الاضحیٰ اور عید الفطر اور یوم جمعہ کے خطبے اور جہری نماز سے متعلق ہے، غیر جہری نماز سے متعلق نہیں ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی یہی اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد چپ رہنا ہے نماز میں اور خطبے میں۔ اور یہی حکم ہے کہ خطبے میں اور امام کے پیچھے چپ رہا کرو۔ حدیث میں بالکل یہی حکم وارد ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ اس بات کو بہت ہی برا سمجھتے تھے کہ جب امام کوئی آیت رحمت پڑھے تو بولنے لگیں، نہیں بلکہ خاموش رہیں اپنی زبان سے جذبات خوف ورجا کے تحت کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو قرآن کی کوئی آیت خاموش ہو کر سنے تو اس کے لئے دوگنا نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ قرآن قیامت کے دن اس کے لئے نور بن جاتا ہے۔ [1]

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

اور اے شخص اپنے رب کو یاد کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا ○ یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں ○

آہستہ آواز سے ذکر کی ترغیب: اللہ پاک حکم دیتا ہے کہ اول روز اور آخر روز میں اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو جیسا کہ

---

[1] **[ضعیف:** مسند احمد (۲/۳٤۱)] حافظ عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں ضعف اور انقطاع ہے۔ [تخریج الاحیاء (۲/۸٤٤)] امام ہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں عباد بن میسرہ راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۱٦۵۰)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (۸٤۹٤)]

ان دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا اس آیت کے ذریعہ حکم دیا ہے۔ کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور اسی طرح غروب سے قبل اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کیا کرو۔ (۱) اور شب معراج میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے اور یہ آیت مکی ہے ﴿غُدُوٌّ﴾ کے معنی اول نہار کے ہیں اور ﴿اصال﴾ اصیل کی جمع ہے جیسے ﴿آیمان﴾ یمین کی جمع ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اپنے رب کو دل سے بھی یاد کرو اور زبان سے بھی' اس سے رغبت رکھ کر بھی اور اس سے ڈر کر بھی' بلند آواز کے ساتھ نہیں اور یہ مستحب ہے کہ اللہ کا ذکر چیخ پکار کے ساتھ نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ آیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے یا دور' اگر قریب ہے تو سرگوشی کے طور پر اس کو مخاطب کریں گے اور اگر دور ہے تو آواز سے ندا دیں گے۔ تو اللہ پاک نے یہ آیت اتاری کہ ''میرے بندے میرے بارے میں پوچھتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں بہت قریب ہوں' وہ مجھے پکاریں میں پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں''۔ (۲)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ کسی سفر میں بلند آواز سے دعا کرنے لگے۔ تو ان سے نبی اکرم ﷺ نے کہا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو! تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو جس کو پکار رہے ہو وہ سننے والا اور قریب ہے تمہاری شہہ رگ گردن سے بھی قریب تر۔ (۳) اس آیت سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے جو اس آیت میں ہے کہ ''اپنی دعا اور نماز نہ بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت آہستہ آواز سے بلکہ دونوں کی درمیانی آواز ہو (۴) کیونکہ مشرکین جب قرآن سنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے اور لانے والے کو برا بھلا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بہت بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو تا کہ مشرکین کو اذیت نہ ہو اور نہ اتنی پست آواز سے کہ تمہارے ساتھی بھی نہ سن سکیں۔ اس آیت کریمہ میں بھی یہی مضمون ہے کہ صبح و شام کی عبادت میں بلند آواز سے نہ پڑھو اور نادانوں میں سے نہ بنو مراد یہ کہ سامع قرآن کو حکم دیا جائے کہ اس ڈھنگ سے نماز اور عبادت کی جائے۔ اور یہ بات بعید ہے اور آہستہ پڑھنے کے حکم کے منافی ہے اور پھر اس سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ حکم متعلق بہ نماز ہے جیسا کہ ماسبق میں گزرا۔ یہ صلوۃ اور خطبہ سے متعلق ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے وقت ذکر کرنے سے افضل خاموش رہنا ہے۔ خواہ وہ ذکر آہستہ ہو یا بلند آواز سے ہو۔ یہ چیز جو ان دونوں نے بیان کی اس کی متابعت نہیں کی گئی۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ بندوں کو صبح و شام ہر وقت کثرت ذکر پر ابھارا جائے تا کہ وہ کسی وقت بھی ذکر الٰہی سے غافل نہ رہیں۔ اسی لئے تو ان ملائکہ کی مدح کی گئی ہے جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے میں غفلت نہیں برتتے۔ چنانچہ فرمایا کہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ﴾ ان فرشتوں کی مثال صرف اس لئے بیان کی گئی تا کہ بندے کثرت طاعت میں فرشتوں کی اقتدا کریں۔ اور جیسا کہ حدیث

---

(۱) [سورة ق: آیت ۳۹] (۲) [سورة البقرہ: آیت ۱۸٦]

(۳) [صحیح: صحیح بخاری : کتاب القدر : باب لاحول ولا قوة الا باللہ (٦٦١٠) صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعاء: باب استحباب خفض الصوت بالذکر (۲۷۰٤) مسند احمد (٤/٤٠٢)]

(٤) [سورہ الاسراء: آیت ۱۱۰]

میں آیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سجدہ کرنے کا ذکر فرمایا تو ایسا سجدہ ہمارے لئے بھی مشروع فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ تم بھی عبادت اللہ کے لئے ایسی ہی صفیں کیوں نہیں باندھتے جیسے کہ فرشتے اپنے رب کے سامنے صفیں باندھے رہتے ہیں اور پہلی صف والوں کو اولیت حاصل رہے اور صفوں میں صحیح اور سیدھی صف بندی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ (۱) یہاں جو سجدہ تلاوت ہے وہ قرآن کا سب سے پہلا سجدہ تلاوت ہے جس کا ادا کرنا تلاوت کرنے والے اور سننے والے سب پر بالا جماع مشروع ہے۔ اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو سجدات قرآن میں سے قرار دیا ہے۔ (۲) الحمد للہ تفسیر سورہ اعراف ختم ہوئی۔

تفسیر سورہ انفال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ
بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور رسول اللہ کی ہیں۔ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو ○

مال غنیمت کے مسائل: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ﴿انفال﴾ مال غنیمت کو کہتے ہیں (۳) اور کہا کہ سورہ انفال غزوہ بدر میں نازل ہوئی ہے۔ (۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ انفال وہ غنیمت ہے کہ وہ کسی کا حق نہیں صرف نبی اکرم ﷺ کا حق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب کوئی بات پوچھی جاتی تو کہتے کہ نہ میں اجازت دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو منع کرنے والا، حکم دینے والا اور حلال وحرام کی تشریح کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ قاسم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا اور انفال کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انفال یہ ہے کہ ایک آدمی جنگ میں دوسرے کو مار کر اس کا گھوڑا اور ہتھیار مال غنیمت کے طور پر لے لے۔ اس آدمی نے

---

(۱) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصلاۃ : باب الامر بالسکون فی الصلاۃ (۴۳۰) ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ : باب اقامۃ الصفوف (۹۹۲) ابوداؤد : کتاب الصلاۃ : باب تسویۃ الصفوف (۶۶۱)]

(۲) [ضعیف : ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ : باب عدد سجود القرآن (۱۰۵۶)] حافظ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند عثمان بن فائد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [الزوائد (۱/۳۵۳)] شیخ البانیؒ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف ابن ماجہ]

(۳) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : سورۃ الانفال باب ۱]

(۴) [صحیح : صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورۃ الانفال : باب قولہ یسئلونک عن الانفال (۴۶۴۵) صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب فی سورۃ براۃ والانفال (۳۰۳۱)]

پھر سوال کیا' تو آپ نے پھر ویسا ہی جواب دیا۔ پھر اس نے سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور آپ رضی اللہ عنہ اس پر حملہ کرنے کے قریب ہو گئے۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کی مثال تو اس شخص کی طرح ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب نے مارا تھا حتیٰ کہ خون اس کی ایڑی اور پاؤں پر بہنے لگا تھا' تو اس آدمی نے کہا کہ تم بھی وہ نہیں ہو کہ عمر رضی اللہ عنہ کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے تم سے لیا تھا۔ یہ اسناد صحیح ہیں۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نفل کی تفسیر اس مال غنیمت سے کی جو جنگ میں چھینا ہوا مال' امام بعض اشخاص کو اصل غنیمت کے تقسیم کے بعد کچھ اور زیادہ دے دیتا ہے اور اکثر فقہاء نے بھی انفال کا مطلب یہی اخذ کیا ہے۔

لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانچویں حصہ کے بارے میں پوچھا جو چار حصے خارج کرنے کے بعد رہ جائے تو یہ آیت اتری (۲) ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ((نـفـل)) کا اطلاق بروز جنگ چھینے ہوئے مال پر نہیں بلکہ جنگ کی صفیں قائم کرنے سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ وہ تو ایک قسم کی زیادتی ہے۔ ابن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ''اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے لوگ اس لونڈی' غلام' سواری اور سامان وغیرہ کے بارے میں پوچھتے ہیں جو بغیر جنگ کے مشرکین سے مسلمانوں کو ملا ہو' سو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے وہ جیسا چاہیں اس کا مصرف کریں۔ (۳) اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مال فے کو انفال سمجھتے ہیں۔ اور فے وہ مال ہے جو کفار سے بغیر قتال حاصل ہو۔ اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سرایا سے جو مال مل جائے وہ انفال ہے یعنی مسلمان کافروں سے لڑنے کے لئے گئے ہوں اور کافر لڑنے کے بغیر اپنا مال متاع اور سامان وغیرہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں اور یہ مال مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کے ساتھ نہ ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لشکر کے کسی رسالے کو اس کی کارگزاری کے عوض میں یا اس کے حوصلہ افزائی کی خاطر امام وقت انہیں عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے دے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرے بھائی عمیر کو قتل کر دیا گیا تو میں نے بھی سعید بن العاص کو قتل کر دیا اور اس کی تلوار لے لی جس کا نام ((ذو الکتیفہ)) تھا۔ اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال مقبوضہ کے ذخیرہ میں ڈال آؤ۔ میں ڈال دینے کے لئے جا رہا تھا۔ اس وقت میرے دل کی حالت کو اللہ ہی جانتا تھا۔ ایک تو بھائی کا قتل دوسرے جو کچھ میں نے چھینا تھا وہ بھی لے لیا گیا۔ لیکن میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورہ انفال کی یہ آیت اتری۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر کہا کہ جاؤ اپنا چھینا ہوا مال لے لو۔ (۴) سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آج مجھے مشرکین کی ہزیمت سے شفا بخشی ہے اب یہ تلوار مجھے بخش دیجئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تلوار نہ تمہاری ہے نہ میری اس کو رکھ دو۔ میں نے رکھ دی اور واپس ہوا اور دل میں خیال کر

---

(۱) [تفسیر ابن جریر الطبری (۶/۱۶۸)]

(۲) [تفسیر ابن جریر الطبری (۶/۱۶۸)]

(۳) [تفسیر ابن جریر الطبری (۶/۱۶۹)]

(۴) [**حسن لغیرہ:** مسند احمد (۱/۱۸۰) ابن ابی شیبۃ (۱۲/۳۷۰) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۶۷۱)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (۱۵۵۶)]

رہا تھا کہ مجھے نہیں ملی تو کوئی ایسا نہ ہو کوئی شخص پالے گا جو مجھ جیسا مستحق نہیں اور جس نے نہ ایسی مصیبت برداشت کی جیسی میں نے یکایک کسی نے مجھ کو پیچھے سے آواز دی۔ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی لیکن وہ میری تھی نہیں کہ تمہیں دیتا۔ اب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے دے دی ہے تو لو اب تمہیں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہے [1] کہ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے بارے میں چار آیتیں اتری ہیں۔ جنگ بدر میں ایک تلوار پر میں نے قبضہ کیا تھا۔ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا' یہ تلوار مجھے بخش دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جہاں سے لی وہیں رکھ دو۔ آپ ﷺ نے دو دفعہ کہا۔ میں نے پھر درخواست کی تو آپ ﷺ نے پھر یہی کہا۔ چنانچہ انفال والی آیت اتری۔ اور مجھ سے متعلق دوسری آیت ہے ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾ [2] الخ' تیسری آیت ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾ [3] الخ' اور چوتھی آیت وصیت۔ [4]

مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بدر کے روز ابن عائذ کی تلوار میرے قبضہ میں آئی جس کا نام مرزبان تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اپنا اپنا لوٹا ہوا مال رکھ دو' تو میں نے بھی یہ تلوار رکھ دی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ کوئی کچھ مانگے تو سوال رد نہیں کرتے تھے' ارقم نے یہ تلوار دیکھ کر حضرت محمد ﷺ سے مانگ لی اور حضرت ﷺ نے دے دی۔ [5]

نزول آیت کا دوسرا سبب: ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انفال کے بارے میں میں نے عبادہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' تو انہوں نے کہا ہمارے ساتھ مجاہدین بدر بھی تھے' اور یہ آیت اس وقت اتری ہے جب کہ انفال کے بارے میں ہم میں اختلاف پڑ گیا اور ہم آپس میں تیز و تلخ باتیں کرنے لگے' تو بات اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ سے لے لی اور نبی اکرم ﷺ کو دے دی۔ اب حضرت ﷺ نے یہ مال غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ [6] عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں [7] کہ بدر میں حضرت ﷺ کیساتھ شریک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی اب ایک جماعت

---

[1] [**حسن صحیح** : ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب في النفل (۲۷۴۰) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة الانفال (۳۰۷۹) مسند احمد (۱/۱۷۸ - ۱۸۱)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود ، صحیح ترمذی]

[2] [سورہ العنکبوت: آیت ۸] [3] [سورہ المائدہ: آیت ۹۰]

[4] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب في فضل سعد بن ابی وقاص (۱۷۴۸)]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۶۷۲)]

[6] [**حسن لغیره** : مسند احمد (۵/۳۱۹، ۳۲۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۶۶۷) عبد الرزاق (۹۳۳٤) دارمی (۲/۲۲۹ - ۲۳۰) مستدرك حاكم (۲/۱۳٦، ۳۲٦)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۲۲۷٤۷)]

[7] [**حسن لغیره** : مسند احمد (۵/۳۲٤) مجمع الزوائد (۷/۲٦)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (۲۲۷٦۲)]

نے تو دشمنوں کا تعاقب کیا اور بھاگتوں کو قتل کیا اور ایک جماعت لشکر پر آپڑی کہ ان کا محاصرہ کر رہی تھی اور ایک نبی اکرم ﷺ کو گھیرے میں لئے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہی تھی کہ کہیں دشمن گزند نہ پہنچائے۔ جب رات ہوگئی اور مال غنیمت تقسیم کرنے لگے، تو جن لوگوں نے مال غنیمت کو سمیٹ کر محفوظ کیا تھا' کہنے لگے کہ اس کے صرف ہم حقدار ہیں' اور جو دشمن کے تعاقب میں گئے تھے ان کا کہنا تھا کہ ہم دشمن کی شکست کا سبب ہیں اس لئے صرف ہم حقدار ہیں اور جنہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت کی تھی وہ کہتے تھے کہ ہم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت ﷺ کو گزند نہ پہنچے۔ اس لئے ہم تو ایک بہت ہی اہم کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ انفال تو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح قائم رکھو۔ اب حضرت ﷺ نے مسلمانوں میں اس کو تقسیم کر دیا۔ اور نبی اکرم ﷺ کی عادت تھی کہ جب دشمن پر ہوتے تو اسی روز وہیں چوتھائی مال غنیمت تقسیم کر دیتے اور جب واپس ہو چکتے تو تہائی کی تقسیم کر دیتے اور اپنے لئے اس کو نا مناسب سمجھتے۔ ① ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے روز حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ایسی ایسی کارگزاریاں بتائے گا اس کو ایسا ایسا انعام ملے گا۔ اب نوجوان تو اپنی کارگزاری بتانے کی کوشش میں لگ گئے اور بوڑھوں نے مورچے اور جھنڈے سنبھال لئے اور جب مال غنیمت آیا تو جس کے لئے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ لینے کے لئے آئے۔ بوڑھوں نے کہا تم کو ہم پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ ہم تمہارے پشت پناہ بنے ہوئے تھے اگر تمہیں ہزیمت ہوتی تو ہمارے ہی پاس تم کو پناہ ملتی۔ بات بڑھ گئی جھگڑا ہوا تو انفال والی آیت اتری۔ ② ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بدر کے روز حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کیا اس کو مال مقتول میں سے یہ یہ انعام اور جو کسی کو قید کر لائے اس کو یہ انعام۔ چنانچہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے دو قیدی پکڑے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ نے اس طرح دے دیا تو آپ کے دوسرے اصحاب کے لئے کچھ نہ بچے گا۔ ہم جو میدان جنگ میں رکے رہے تو اس کا سبب کچھ یہ نہیں تھا کہ ہم کو مال کا یا معاوضہ کا لالچ نہ تھا اور نہ یہ کہ ہم دشمن سے گھبراتے تھے۔ ہم تو یہاں صرف اس لئے ٹھہرے رہے کہ کہیں آپ پر پیچھے سے حملہ نہ ہو جائے۔ مقامی حفاظت کی بھی سخت ضرورت تھی۔ غرض یہ کہ کچھ جھگڑا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ارشاد باری ہے ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ ③ یعنی جو مال غنیمت تم کو ملا ہے اس میں

---

① [صحیح: ترمذی: کتاب السیر: باب فی النفل (۱۵۶۱) ابن ماجه: کتاب الجهاد: باب النفل (۲۸۵۲) صحیح ابن حبان (۴۷۵۷) مسند احمد (۵/۳۲۳_ ۳۱۸) مستدرك حاكم (۲/۱۳۵)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابن ماجه]

② [صحیح: ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی النفل (۲۷۳۷) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۶۶۲) صحیح ابن حبان (۵۰۹۳) نسائی فی التفسیر (۲۱۷) حاكم (۲/۱۳۱، ۱۳۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

③ [سورہ الانفال: آیت ۴۱]

پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (1) امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ((الاموال الشرعیہ)) میں لکھا ہے کہ انفال' مالہائے غنیمت کو کہتے ہیں اور ہر وہ مال جو حربیوں سے مسلمانوں کو ملے۔ انفال پر سب سے پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرما دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم بدر میں اس کی تقسیم حسب ہدایت باری تعالیٰ خمس نکالے بغیر کی تھی۔ جیسا کہ حدیث سعد میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت خمس نازل ہوئی' تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی۔ ابن زید کا بیان ہے کہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ وہ بھی قائم ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں اور بھی حدیثیں ہیں۔

انفال جمیع مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ لیکن اس میں سے خمس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کے لئے مخصوص ہے جیسا کہ قرآن میں ہے اور حدیثوں میں ہے۔ ((انفال)) کلام عرب میں ہر وہ احسان ہے جو محسن نے محض سلوک کے طور پر کیا ہو اور اس پر احسان کرنا واجب نہ ہو۔ یہی ہے وہ مال غنیمت جس کو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے حلال کر دیا ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ ہم مسلمان ہی اس سے مخصوص ہیں اور مسلمانوں سے پہلے دوسری امتوں پر مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خمس کا حقدار بنایا گیا ہے' کہ مجھ سے پہلے کسی کو خمس نہیں دیا گیا تھا۔ (2) ابوعبید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام اگر فوج کے افراد کو کوئی انعام دے جوان کے مقررہ حصے کے علاوہ ہو تو اس کو نفل یا انفال کہتے ہیں اور یہ اس کی کارگزاریوں اور دشمن پر زوردار حملہ کا لحاظ کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ نفل جو امام کی طرف سے اعتراف حسن کارگزاری کے طور پر ملتا ہے چار طریقوں پر ہوتا ہے ہر طریقہ اپنی جگہ پر دوسرے طریقہ سے الگ ہے۔ ایک تو مقتول کا لوٹا ہوا مال واسباب' اس میں سے کوئی پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا۔ دوسرا وہ نفل جو پانچواں حصہ سے الگ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر دشمن پر بھیج دیا وہ غنیمت کا مال لے کر پلٹا تو امام سے اس لشکر کو چوتھائی یا تہائی اپنے حسب صوابدید تقسیم کر دے تیسرا یہ طریقہ ہے کہ جو خمس نکال کر باقی تقسیم کیا جانے والا ہے اس میں سے اپنے حسب صوابدید اور حسب کارگزاری جس کو جتنا مناسب سمجھے دے اور باقی تقسم کر دے۔ چوتھی صورت یہ کہ ساری غنیمت میں سے نفل دے قبل اس کے کہ خمس نکالے اور یہ سقاؤں' چرواہوں' ساتیوں اور دیگر مزدوروں کا حق ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ کئی صورتوں سے اس کی تقسیم ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے مجاہدین کو مقتولین کا جو سامان اور مال ومتاع دیا جاتا ہے' وہ انفال میں داخل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حصہ جو پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ تھا اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں' اور جتنا چاہیں عطا فرمائیں' یہ بھی نفل ہے۔ پس امام کو چاہیے کہ دشمنوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت اور اسی قسم کے ضروری مواقع کا لحاظ رکھتے ہوئے طریق سنت کی

---

(1) [ضعیف: عبد الرزاق فی التفسیر (۹۸۸) وفی المصنف (۹۴۸۳)] اس کی سند میں محمد بن سائب کلبی راوی متروک ہے، اسی طرح ابوصالح کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع بھی ثابت نہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے سخت ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اسے موضوع کہا ہے۔]

(2) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التیمم (۳۳۵) صحیح مسلم: کتاب المساجد (۵۲۱)]

پیروی کرے۔ اگر ایسی مصلحت در پیش نہ ہو تو نفل کا نکالنا ضروری نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ایک جماعت کافروں سے لڑنے کے لئے بھیجتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ جو شخص جو کچھ حاصل کرے اس میں سے پانچواں حصہ تو الگ کر دے اور باقی لے لے اور یہ بات جنگ پر جانے سے پہلے ہی باہمی رضا مندی سے طے پا چکی ہوتی ہے۔ لیکن ان کے اس بیان میں جو کہا گیا ہے کہ بدر کی غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا' اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ دو اونٹنیاں وہ ہیں جو انہیں بدر کے دن پانچویں حصہ میں ملی تھیں۔ میں نے اس کا پورا بیان کتاب السیرۃ میں کر دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ یعنی اپنے امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح سے رہو نہ ایک دوسرے پر ظلم کرو نہ دشمن بنو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو ہدایت اور علم دیا ہے کیا یہ اس مال سے بہتر نہیں جس کے لئے تم لڑ رہے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تقسیم کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حسب ارادہ ہی کرتے ہیں۔ ان کی تقسیم عدل و انصاف پر مبنی ہوتی ہے۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ کے معنی ہیں کہ آپس میں لڑو جھگڑو نہیں اور گالی گلوچ نہ بکو۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی چیز ہنسی کا سبب ہوئی ؟ تو فرمایا کہ میرے دو امتی اللہ تعالیٰ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے یارب اس نے مجھ پر ظلم کیا میں بدلہ چاہتا ہوں۔ اللہ پاک اس سے فرماتا ہے کہ اپنے ظلم کا بدلہ ادا کرو۔ ظالم جواب دیتا ہے یارب اب میری کوئی نیکی باقی نہیں رہی کہ ظلم کے بدلے میں اسے دے دوں۔ تو وہ مظلوم کہتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دے۔ یہ کہتے ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ لوگ اس بات کے حاجت مند ہوں گے کہ اپنے گناہوں کا بوجھ کسی اور کے سر دھر دیں۔ اللہ پاک طالب انتقام سے فرمائے گا کہ نظر اٹھا کر جنت کی طرف دیکھ! وہ سر اٹھائے گا جنت کی طرف دیکھے گا اور عرض کرے گا' یارب اس میں تو چاندی اور سونے کے محل ہیں موتیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ یارب! یہ محل کس نبی اور کس صدیق اور شہید کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرتا ہے اس کو دے دیئے جاتے ہیں۔ وہ کہے گا یارب کون اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ اب وہ عرض کرے گا یارب کس طرح ؟ اللہ عزوجل شانہ ارشاد فرمائے گا' وہ اس طرح کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے۔ وہ کہے گا' یارب میں نے معاف کیا۔ اللہ پاک فرمائے گا' اب تم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو' آپس میں صلح قائم رکھو۔ کیونکہ قیامت کے روز اللہ پاک بھی مومنین کے درمیان آپس میں صلح کرانے والا ہے۔''[1]

---

[1] [ضعیف : الدرالمنثور للسیوطی (۳/۲۹۶) مستدرك حاکم (۴/۵۷۶)] اس کی سند میں عباد بن شیبہ راوی ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف الترغیب (۲۱۰۳)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ
زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ○ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں ○ سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں' ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ○

اہل ایمان کی صفات: منافقین جب فریضہ صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو قرآن کی آیتیں ذرہ بھر ان کے دل پر اثر نہیں کرتیں۔ نہ اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں' نہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں' جب کہ گھر میں ہوتے ہیں' نہ اپنے مال کی زکوۃ دیتے ہیں' اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ مومن ایسے نہیں ہوتے۔ مومنین کا وصف اس آیت میں یوں بیان فرماتا ہے کہ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ جب آیتیں ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو تصدیق کرنے کے سبب ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے پر بھروسہ کرتے ہی نہیں۔ مومن کی حقیقی پہچان یہی ہے کہ کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں آ گیا تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا۔ مومن لوگوں سے اگر کوئی گناہ کا کام سرزد ہو بھی گیا یا حدود سے انہوں نے تجاوز کیا تو فوراً انہیں اللہ تعالیٰ کا دھیان آ جاتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں سے استغفار کرنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کا بخشنے والا کون ہے۔ غلطی سے گناہ ہو گیا تو بار بار اس پر اصرار نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھدار لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ ''جس کو اللہ تعالیٰ کا سامنا کرنے کا خوف دامنگیر ہے اور خواہش نفسانی ناجائز طور پر پوری کرنے سے وہ باز رہا تو جنت درحقیقت اسی کا حق ہے۔''[1] چنانچہ سدی مرد مومن کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو اس کا قلب کانپ اٹھتا ہے۔ ام درداء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ دل خوف ہی سے دھڑکنے لگتے ہیں اور تن بدن میں ایک سوزش سی ہو جاتی ہے یہی تو وجہ ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب یہ کیفیت طاری ہو جائے تو بندہ کو چاہیے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد کی دعا مانگنے لگے کیونکہ ایسے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن سن کر ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے''۔ جیسا کہ فرمایا کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو کوئی کہتا ہے کہ اس آیت سے تم میں سے کس کا ایمان بڑھ گیا۔ سو

---

[1] [سورۃ النازعات : آیت ۴۰'۴۱]

بات یہ ہے کہ اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے جو پہلے ہی مومن ہے اور جنت کی خوش خبری اسی کے حق میں ہے۔ [1] امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے آئمہ نے اسی نوعیت کی آیتوں سے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے جیسا کہ جمہور آئمہ کا مذہب ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ بہت سارے آئمہ کا اسی پر اجماع ہے۔ جیسے شافعی رحمہ اللہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابوعبیدہ رحمہ اللہ جیسا کہ ہم نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے۔

﴿وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ یعنی اس کے سوا کسی سے امید ہی نہیں رکھتے۔ اپنی پناہ اسی کو قرار دیتے ہیں۔ کچھ مانگتے ہیں تو اسی سے مانگتے ہیں اور ہر بات میں اسی کی طرف جھکتے ہیں' جانتے ہیں کہ وہ جو چاہے گا وہ ہوگا اور جو نہ چاہے گا وہ نہ ہوگا وہ وحدہ لاشریک ہے' متصرف فی الملک ہے' اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم نہیں' وہ سریع الحساب ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ توکل ایمان کا شیرازہ ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ مومنین کے اعتقاد کا ذکر کرنے کے بعد ان کے اعمال سے آگاہی دی جارہی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں کو دیتے دلاتے رہتے ہیں۔ یہ دونوں اعمال ایسے زبردست ہیں کہ تمام اعمال خیر پر مشتمل ہیں۔ اقامت صلوۃ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اقامت صلوۃ کہتے ہیں نماز کی اپنے اوقات پر پابندی کرنے کو اور یہ کہ وضو میں اچھی طرح منہ ہاتھ پاؤں دھوئے ہوں' رکوع اور سجود تعدیل وارکان کے ساتھ ادا کیے گئے ہوں قرآن کی تلاوت اس کے آداب کے ساتھ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا تشہد اور درود ہو یہ ہے اقامت صلوٰۃ جو ﴿يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ کا مفہوم ہے اور ﴿يُنْفِقُوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ اگر زکوۃ کے قابل ہو تو زکوۃ دیں' اور جو کچھ بھی ہے لوگوں کو دیتے دلاتے رہیں۔ بندوں کے واجب اور مستحب مالی حقوق ادا کرتے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہے تو سب کی مدد کریں کیونکہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی عیال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہی بندہ سب سے زیادہ مقبول ہے جو مخلوق کو سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔ تمہارے اموال اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس گویا بطور امانت ہیں اور بہت جلد تمہارا مال تم سے جدا ہونے والا ہے اس لئے اس سے محبت نہیں ہونی چاہیے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ ان صفات سے جو متصف ہیں وہ حقیقی مومن ہیں۔

حارث بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حارث رضی اللہ عنہ! صبح کیسی گزری؟ حارث رضی اللہ عنہ نے کہا ایک مومن حقیقی کی حیثیت سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' خوب سمجھ کر کہو ہر شے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے' تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے بتاؤ تو سہی' حارث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دنیا کی محبت سے میں نے روگردانی کر لی ہے راتوں کو جاگ کر عبادت کرتا ہوں دن کو روزے کے سبب پیاسا رہتا ہوں اور اپنے کو یوں پاتا ہوں گویا میرے سامنے عرش رب کھلا ہوا ہے اور گویا میں اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں اور اہل دوزخ کو گرفتار بلا دیکھ رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اے حارث! تم حقیقت ایمان تک پہنچ چکے ہو اس پر قائم رہنے کی

---

[1] [سورۃ التوبۃ: آیت ۱۲۴]

کوشش کرو۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا۔ ① قرآن زبان عرب میں نازل کیا گیا ہے اور حقا کا لفظ ادبی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ((فلان سید حقا)) یعنی فلاں حقیقی سردار ہے' اگرچہ قوم میں اور دوسرے بھی سردار ہیں اور فلاں حقیقی تاجر ہے اگرچہ اور تاجر بھی بہت ہیں۔ اور فلاں حقیقی شاعر ہے' اگرچہ اور بہت شاعر ہیں' ﴿لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ② یعنی جنت میں ان کو بڑے بڑے درجے ملیں گے۔ جیسا کہ فرمایا' اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے بڑے درجے ہیں اور جو کچھ وہ عمل کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہے۔ ③ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے گا۔

اہل جنت میں سے بعض کے درجے بعض سے بالاتر ہیں اوپر والے اوپر سے نیچے کے درجہ والوں کو دیکھیں گے اور فخر کریں گے۔ نیچے والے اوپر والوں کو دیکھ کر حسد کریں گے۔ مسلم اور بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علیین والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ تم افق آسمان پر ستاروں کو دیکھتے ہو' لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ انبیاء کے منازل ہیں اور کسی اور کو کیا نہ ملیں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں' اللہ تعالیٰ کی قسم وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی' وہ بھی اس کے مستحق ہیں۔ ④ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اوپر کی جنت والوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے افق آسمان پر ستارے ہیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ انہیں میں سے ہیں انہیں بھی یہ عزت ملے گی۔ ⑤

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ ۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ ۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ۸

---

① [ضعیف : مسند عبد بن حمید (٤٤٤) طبرانی کبیر (٣٣٦٧) بیهقی فی شعب الایمان (١٠٥٩١) مجمع الزوائد (٥٧/١)] یہ روایت ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

② [سورة الانفال: آیت ٤] ③ [سورة ال عمران: آیت ١٦٣]

④ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب ماجآء فی صفة الجنة وانها مخلوقة (٣٢٥٦) صحیح مسلم : کتاب الجنة : باب ترائی اهل الجنة اهل الغرف (٢٨٣١)]

⑤ [صحیح : ابن ماجه : مقدمه : باب فضل ابی بكر الصديق (٩٦) ابوداؤد : کتاب الحروف والقراء ات (٣٩٨٧) ترمذی : کتاب المناقب : باب مناقب ابی بكر الصديق (٣٦٥٨) مسند احمد (٢٧/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه ، الروض النضیر (٩٧٠)]

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے مصلحت کے ساتھ آپ کو روانہ کیا' اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی ○ وہ اس مصلحت میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں ○ اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد کو قطع کر دے ○ تا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگر چہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں ○

جنگ بدر کی کچھ تفصیل: مفسرین نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ﴾ میں ﴿كَمَا﴾ کے آنے کا کیا سبب ہے۔ بعض نے کہا کہ آیت زیر ذکر میں تشبیہ دی گئی ہے' مومنین کے باہمی صلح کے ساتھ ان کے ارتقاب اور اطاعت رسول کے بارے میں۔ چنانچہ بات کا ڈھنگ یوں ہوتا ہے۔ جیسا کہ غنیموں کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور لڑ پڑے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ چکا دیا تھا اور تم سب سے چھین کر تقسیم کا حق رسول اللہ ﷺ کو دے دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے عدل اور مساوات کے ساتھ تقسیم کر دی تھی اور یہ بات تمہاری مصلحت کاملہ کی خاطر تھی۔ اسی طرح اس موقع پر جب دشمنوں سے لڑنے کے لئے تم کو مدینے سے نکلنا پڑا تو شوکت وجاہ والے بڑے لشکر سے لڑنا تمہیں ناپسند ہوا۔ یہ بڑا لشکر وہ تھا جو اپنے ہم مذہب کافروں کی مدد اور شام کو گئے ہوئے قافلہ مال تجارت کی حفاظت کے لئے مکے سے نکل آئے تھے اور اس جہاد کو ناپسند کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی جنگ سے تمہیں دوچار کیا اور پہلے سے بغیر کسی قرارداد جنگ کے دشمن سے تمہیں بھڑا دیا اور نتیجہ میں تمہیں نصرت وہدایت بخشی۔ جیسا کہ فرمایا قتال تم پر فرض کیا جاتا ہے اور یہ تمہیں ناپسند ہے۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی بات کو ناگوار سمجھو اور دراصل تمہاری بھلائی اسی میں ہو اور تم کسی بات کو پسند کرو اور درحقیقت نتیجہ میں وہ تمہارے لئے مضر ثابت ہو۔ تمہاری بہتری کا علم تمہارے اللہ تعالیٰ کو ہے تم کو نہیں۔ [1] بعض نے اس تشبیہ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ جس طرح تمہارے اللہ تعالیٰ نے حق طور پر تم کو مدینہ سے باہر نکلنے میں کامیاب کیا ہے' حالانکہ بعض مومنین اس خروج سے ناراض تھے لیکن انہیں آنا پڑا' اسی طرح وہ جنگ سے باز رہنا چاہتے ہیں اور تم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں' حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی رائے کی حقانیت ان پر ظاہر ہو چکی تھی۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ معنی ہیں کہ جس طرح مدینے سے مجبوراً تم لوگ نکلے اسی طرح امر حق میں وہ رسول سے جھگڑتے ہیں۔

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بدر کی لڑائی میں نکلنے کے بارے میں نازل ہوئی ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ اے نبی (ﷺ) یہ مومنین تم سے لڑنے کی نیت سے انفال کے بارے میں سوالات پیدا کر رہے ہیں جیسا کہ بدر کے روز بھی انہوں نے تم سے مجادلہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ تو ہمیں قافلے سے نمٹنے کے لئے لے کر نکلے تھے' ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گی اور

---

[1] [سورۃ البقرہ: آیت ۲۱۶]

نہ ہم جنگ کے لئے تیار ہو کر گھر سے نکلے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ مدینے سے ابوسفیان کے قافلے کی راہ روکنے کے لئے نکلے تھے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ قافلہ ملک شام سے قریش کے لئے بہت سامال لے کر روانہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو آمادہ کیا اور تین سو دس سے کچھ زیادہ آدمی لے کر نکل کھڑے ہوئے' اور چشمہ بدر کی راہ پر ساحل کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان کو حضرت ﷺ کے حملہ کرنے کی خبر ہو چکی تھی' جو اس قافلہ کا سردار تھا۔ اس نے ضمضم بن عمرو کو مکہ بھیج کر اہل مکہ کو مدینے والوں کے ارادے سے آگاہ کیا۔ مکے والے تقریباً ایک ہزار آدمی لے کر نکلے۔ ابوسفیان قافلے کو سیف البحر کی طرف سے لے کر نکل گیا اور صاف بچ گیا۔ اب مکہ کا یہ ایک ہزار کا لشکر بڑھتا رہا حتیٰ کہ چشمۂ بدر کے پاس آ کر پڑاؤ ڈالا۔ اب مسلمان اور کافر بغیر اس کے کہ پہلے سے کوئی قرارداد جنگ ہو آپس میں گتھ گئے۔ کیونکہ اللہ پاک مسلمانوں کا بول بالا کرنا چاہتا تھا اور حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر تھی۔ جیسا کہ یہ بیان عنقریب آنے والا ہے۔

غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو جب خبر ملی کہ مکے سے ایک بڑا لشکر ان سے لڑنے کے لئے نکلا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی بھیجی کہ دو میں سے ایک چیز تمہیں ملے گی' یا قافلے کو لوٹ لو' یا اس لشکر سے لڑ بیٹھو' دونوں نہیں ملیں گے کسی ایک کو اختیار کر لو اور اس میں کامیاب ہو جاؤ' مسلمانوں میں سے اکثر کی یہ رائے تھی کہ قافلے کو لوٹ کر چل دو بغیر جنگ کے بہت سامال مل جائے گا۔ جس کی حکایت اللہ پاک نے یوں فرمائی ہے کہ ''تم چاہتے ہو کہ دونوں میں سے وہ صورت پسند کریں جو شوکت والی نہ ہو' یعنی قافلے سے نمٹ لیں اور اللہ تعالیٰ کا تو ارادہ یہ تھا کہ حق ظاہر ہو کر رہے اور مکے کے کافروں کا قلع قمع ہو جائے۔''

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم مدینے میں تھے اور حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابو سفیان قافلہ لے کر آ رہا ہے' تم لوگ کیا کہتے ہو' کیا اس قافلہ کی راہ روکنے کے لئے ہم نکل پڑیں ممکن ہے کہ تم لوگوں کو بہت کچھ مال و دولت مل جائے' ہم نے عرض کیا ضرور چلنا چاہیے' چنانچہ ہم سب نکلے اور ایک یا دو روز چلتے رہے' اب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا ان کافروں سے جنگ کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے انہیں اس بات کی خبر ہو گئی ہے کہ تم قافلے کے خیال سے نکل چکے ہو۔ مسلمانوں نے کہا کہ واللہ ہم میں دشمن کے اتنے بڑے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں' ہم جو نکلے ہیں تو صرف قافلے کو لوٹنے کے خیال سے چل پڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ پھر ہم لوگوں نے یہی جواب دیا۔ اب مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم اس موقع پر ایسا نہ کہیں گے' جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارے رب دونوں جاؤ اور دشمن سے لڑو ہم یہیں بیٹھے تمہاری واپسی کے منتظر رہتے ہیں۔ ہم گروہ انصار نے تمنا کی اور کہا' اگر ہم بھی وہی کہتے جو مقداد نے کہا تو یہ بات قافلہ کا مال عظیم مل جانے سے بھی ہمیں زیادہ پسند ہوتی۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ﴾ ابووقاص لیثی رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بدر کی طرف سب کو لے کر نکلے اور مقام روحاء میں پہنچ کر لوگوں کے

سامنے خطبہ دیا اور کہا تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم ہو چکا ہے کہ یہ کفار یہاں یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اب کی مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اور ایک بار یہ سوال کیا تو سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مراد ہم سے ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہ کبھی برک الغماد گیا ہوں نہ مجھے اس کی راہ کا علم ہے لیکن اگر آپ یمن کے برک الغماد تک بھی جائیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور امت موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہ کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑ لو ہم یہیں سے تمہارا ساتھ دیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ نکلنے کے وقت کسی اور غرض سے نکلے ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کوئی دوسری صورت پیدا کر دی ہو' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو صورت چاہیں اختیار کریں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا چاہتا ہے دے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹنا چاہتا ہے ٹوٹ جائے' جو چاہے آپ کا مخالف بن جائے اور جو چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر کے رہے۔ ہمارا مال جو کچھ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب لے سکتے ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کے اسی قول کی بنا پر وہ آیت اتری۔ [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے لئے مشورہ کیا اور پھر قریش کے لشکر سے جنگ کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ جنگ ناپسند تھی۔ اس لئے آیت اتری تھی کہ ﴿اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ﴾ یعنی بعض مومنین کی یہ مرضی نہیں ہے۔ اور حق بات ظاہر ہو جانے کے بعد بھی یہ تم سے بحث کرتے ہیں۔ وہ ایسا سمجھ رہے ہیں کہ جنگ کریں گے تو گویا موت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں' مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فی الحق سے مراد فی القتال ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ﴿لَكٰرِهُوْنَ﴾ سے ﴿مُشْرِكِيْنَ﴾ کے ساتھ جنگ کی ناپسندی مراد ہے۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ کا مطلب ہے کہ یہ ظاہر ہو جانے کے بعد کہ تم حکم رب کے سوا کسی بات کا اقدام نہیں کرتے' پھر بھی رسول کی رائے کے خلاف کرتے ہیں۔ ابن زید ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ یعنی یہ مشرکین حق بات کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں گویا کہ وہ موت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں جب کہ اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور یہ کہ ایسی مذموم صفت سے مومنین متصف نہیں ہو سکتے اور یہ صفت اہل کفر ہی کی ہو سکتی ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابن زید کا یہ قول کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ الفاظ ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ﴾ سے پہلے سیاق عبارت اہل ایمان سے متعلق ہے اور جو الفاظ اس کے بعد ہیں ظاہر ہے کہ وہ اسی کی خبر ہو گی۔ سچ تو یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کا قول درست ہے کہ اس سے مراد مومنین ہی ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید کی ہے۔ یہی حق ہے اور سیاق کلام اس کی تائید کرتا ہے۔

---

[1] [اسنادہ ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٧٢٤)] اس کی سند میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کے ساتھ جنگ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ اب مال بھرے قافلے سے بھی نمٹ لیں۔ اب کوئی رکاوٹ بھی باقی نہیں رہی۔ تو عباس رضی اللہ عنہ جو قیدی کی حیثیت سے اسیران جنگ میں تھے بول اٹھے کہ ہرگز یہ مناسب نہیں' کیونکہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے دو چیزوں میں سے ایک کا چنانچہ ایک چیز آپ کو حاصل ہو چکی اب دوسری چیز بھی حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ [1] اس کی اسناد جید ہیں۔ اس قول کے معنی ﴿تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ﴾ یہ ہیں کہ تم یہ چاہتے تھے کہ وہ چیز حاصل کریں جس میں نہ کوئی مدافعت ہے نہ قتال ہے یعنی ابوسفیان کے قافلے کو لوٹنا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا تھا کہ تم کو ایسی جماعت سے بھڑ ادے جو جاہ وشوکت والی ہو اور اس سے جنگ واقع ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان پر کامیابی بخشے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا غلبہ ہو کلمہ اسلام بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا عاقبت امور سے کوئی واقف نہیں' حسن تدبیر کا مدبر وہی ہے اگر لوگ اس کے خلاف ہی کیوں نہ چاہتے ہوں۔ جیسا کہ فرمایا قتال تم پر فرض ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہی ہو۔ بہت ممکن ہے کہ تمہیں ایک بات ناپسند ہو اور خیر اسی کے اندر ہو اور ایک بات اچھی لگے اور شر اسی کے اندر ہو۔ [2] حسب ذیل حدیث بھی سیاق حدیث بدر میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام سے ابوسفیان کے چلنے کی خبر پائی تو مسلمانوں کو بلایا اور کہا کہ قریش کے اس قافلے کے ساتھ مال ومتاع بہت ہے اس پر دھاوا بولو۔ کیا عجب کہ کفار کا مال غنیمت اللہ تعالیٰ تمہیں دے دے۔ بعض کے پاس اسلحہ تھا اور بعض کے پاس نہیں اور نہ انہیں یہ گمان تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کریں گے۔ اور ابوسفیان حجاز کے قریب ہوا تو اس نے اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور ہر آنے جانے والے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں پوچھتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کو خبر مل گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قافلے کے درپے ہیں تو اس نے احتیاطی تدابیر اختیار کر لیں اور ضمضم بن عمرو وغفاری کو فوراً مکے بھیجا کہ قریش سے مل کر قافلے کی حفاظت کا انتظام کرائے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حملہ آور ہو رہے ہیں ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلے اور وادی ذفران تک پہنچے اور وہاں قیام کیا کہ اتنے میں آپ کو خبر ملی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت ومدافعت کی خاطر مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ٹھیک بات کہہ دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا۔ پھر مقداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ کا جو منشا ہے اس کو پورا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں کہیں گے۔ اگر ہمیں حبش تک بھی لے جانا چاہیں تو جب تک

---

[1] [ضعيف : مسند احمد (١/٢٢٩) مسند ابویعلی (٢٣٧٣) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة الانفال (٣٠٨٠) مستدرك حاكم (٢/٣٥٧) الدر المنثور للسيوطی (٣/١٦٩)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی (٥٩٦)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ سماک کی عکرمہ سے حدیث میں اضطراب ہوتا ہے مگر پھر بھی امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح، امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح الاسناد اور حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں اسے جید کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢٠٢٢)]

[2] [سورة البقره : آیت ٢١٦]

آپ ﷺ وہاں نہ پہنچیں ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ تو آپ ﷺ نے مقداد رضی اللہ عنہ کو دعائے خیر دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو آپ ﷺ کی مراد انصار سے تھی۔ ایک تو اس وجہ سے بھی کہ انصار تعداد میں بھی زیادہ تھے دوسرے اس لئے بھی کہ عقبہ میں جب انصار نے بیعت کی تھی تو اس بات پر کی تھی کہ جب آپ اس قرب مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ جائیں گے تو ہر حال میں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ یعنی دشمن آپ پر چڑھائی کر کے آئے تو ہم اس کے مقابلے پر ہو جائیں گے۔ اس میں چونکہ یہ وعدہ نہ تھا کہ جارحانہ اقدام پر بھی ساتھ دیں گے۔ اس لئے حضرت ﷺ ان کا بھی ارادہ اور رائے دریافت کر لینا چاہتے تھے تاکہ ان سے بھی وعدہ لے کر ان کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شاید آپ ہم سے جواب طلب فرما رہے ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میری مراد تمہیں لوگوں سے ہے۔ تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا آپ ﷺ پر ایمان ہے' آپ کا حکم ماننے کی بیعت آپ کے ہاتھ پر کر چکے ہیں۔ ہم آپ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑیں گے اللہ تعالیٰ کی قسم اگر سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر بھی آپ ﷺ اس میں گھوڑا ڈال دیں تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے ہم میں سے کوئی بھی ذرا تامل نہ کرے گا۔ ہم لڑائیوں میں بہادر بتانے والے' مصیبتوں کو جھیلنے والے ہیں۔ آپ ہم سے ان شاء اللہ خوش رہیں گے۔ اس جواب سے آپ بہت خوش ہوئے اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ رب نے دو میں سے ایک کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور کیا عجب وہ ایک یہی جنگ ہو۔ میں گویا مشرکین کا مقتل یہیں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ [1]

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

ع ۱۵

اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے ○ اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس کے لئے کی کہ بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے۔ اور نصرت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والے ہیں ○

نبی ﷺ کی دعائیں اور اللہ کی جانب سے نصرت کا وعدہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے روز حضرت نے اپنے ساتھیوں کا شمار کیا تو تین سو سے کچھ اوپر تھے۔ اور مشرکین کوئی ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ چنانچہ آپ قبلہ رو ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ آپ صرف ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہبند بندھی ہوئی تھی اور فرما رہے تھے کہ یا رب تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس موقع پر پورا کر۔ اگر مسلمانوں کی اس مٹھی بھر جماعت کو تو نے ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا اور توحید کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۷۳۲) و تاریخ الطبری (۲/ ۲۷۰) سیرة ابن ھشام (۲/ ۲۵۷)]

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے دعائیں مانگ رہے تھے حتیٰ کہ چادر آپ ﷺ کے شانوں سے گر پڑی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آ کر اس کو آپ کے کندھوں پر ڈال دیا اور آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اب اللہ تعالیٰ سے التجائیں بس کر دیجئے' وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اس نے تمہاری درخواست قبول کر لی۔ اب میں ایک ہزار صف بہ صف فرشتوں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔ چنانچہ جس روز جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست فاش دے دی۔ مشرکوں میں سے ستر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کے بھائی بند اور قبیلہ وخاندان والے ہیں' میں تو یہ رائے رکھتا ہوں کہ ان سے فدیے لے کر چھوڑ دیا جائے تا کہ فدیہ کی رقم سے ہمیں مالی استحکام حاصل ہو کافروں پر غلبہ کی اور قوت پیدا ہو اور کیا عجب ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بخشے۔ پھر یہ خود ہماری قوت میں اضافہ کریں گے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ عمر! تم کیا کہتے ہو؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میری تو وہ رائے نہیں جو ابوبکر کی ہے۔ آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں اپنے رشتہ دار کا فر قیدی کو قتل کر دوں اور علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی گردن اڑا دیں اور حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے فلاں بھائی کی گردن ماریں تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور ثابت کر سکیں کہ مشرکین کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی رعایت نہیں۔ یہ مشرکین قیدی تو کافروں کے سردار اور قائد ہیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور ان قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دوسرا دن نکلا تو میں آنحضرت ﷺ کے گھر گیا۔ دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ اور ابوبکر دونوں رو رہے ہیں۔ میں نے عرض یا رسول اللہ ﷺ! آپ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کیوں رو رہے ہیں۔ تا کہ رونا آئے تو میں بھی روؤں اور نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنالوں تا کہ آپ ﷺ کا شریک ہو جاؤں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی وجہ سے رونا ہے۔ میں اس خطا کی وجہ سے اس عذاب کو دیکھ رہا ہوں جو اتنا قریب ہے جتنا یہ میرے سامنے کا درخت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾ تا ﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ [1] چنانچہ غنیمت حلال کر دی گئی۔ پھر جب آئندہ سال یوم احد آیا تو یوم بدر کی غلطی کا اللہ تعالیٰ نے یوں بدلہ لیا کہ فدیہ کے ستر چھوٹے ہوئے کافروں کے بدلے احد میں مسلمانوں کے ستر صحابی شہید ہوئے۔ حضرت ﷺ کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ پڑے۔ خود سر مبارک میں دھنس گیا۔ خون چہرہ مقدس پر بہنے لگا۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ "مصیبت پہنچی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی۔ کہہ دو کہ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں نازل ہوئی ہے"۔ یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے سبب۔ [2]

---

[1] [سورۃ الانفال: آیت ۶۷، ۶۸، ۶۹]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب الامداد بالملائكة فی غزوة بدر (۱۷۶۳) ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی فداء الاسیر بالمال (۲۶۹۰) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: سورة الانفال (۳۰۸۱) بیهقی فی دلائل النبوة (۳/۵۱، ۵۲)]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ﴾ سے مراد حضرت ﷺ کا دعا کرنا ہے کیونکہ بدر کے روز نبی اکرم ﷺ اللہ سے بہت اصرار کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے کہ (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ آ کر کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ !اب دعا کو مختصر کر دیجئے اللہ پاک ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا جو آپ ﷺ سے کیا گیا ہے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یوم بدر میں حضرت ﷺ فرما رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ میں عہد کے پورا کرنے کی طرف تجھے توجہ دلاتا ہوں ورنہ اے اللہ تعالیٰ تجھے پوجنے والا کوئی نہ رہے گا۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا حضرت بس بس۔ تو آپ اٹھے اور فرما رہے تھے کہ قریب تر عرصہ میں کافروں کو شکست ہونے والی ہے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے ہیں۔ [2] ﴿بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾ یعنی فرشتوں کی صفیں ایک کے پیچھے ایک لگی ہوئی تھیں اور ((مُرْدِفِيْنَ)) سے مراد مدد بھی ہو سکتی ہے یعنی فرشتے مدد پر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ہزار فرشتے لے کر نبی اکرم ﷺ کی سیدھی طرف تھے جدھر کہ ابوبکر تھے اور میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتے لے کر بائیں طرف تھے جدھر میں تھا۔ [3] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہزار کی مدد پر دوسرے ہزار بھی تھے۔ اسی لئے بعض نے ((مُرْدَفِيْنَ)) بہ فتحہ دال قرأت کی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ پانچ سو ملائکہ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ تھے اور پانچ سو میکائیل علیہ السلام کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے لگا ہوا تھا کہ اوپر سے ایک کوڑا مشرک کے سر پر پڑنے کی آواز سنی اور ایک سوار کی بھی آہٹ پائی گئی' اب کیا دیکھتے ہیں کہ کافر گر کر زمین پر ڈھیر ہو گیا ہے۔ کوڑے کی ضرب سے سر پھٹ گیا ہے حالانکہ کسی انسان نے اسے مارا نہ تھا۔ اب پیچھے والے انصاری نے یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچائی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ آسمانی مدد تھی۔ یہ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا۔ چنانچہ ستر تو قتل ہوئے اور ستر قیدی ہوئے۔ [4] رافع رضی اللہ عنہ اہل بدر میں سے تھے' کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت سے پوچھا کہ آپ اہل بدر کو کیسا سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے افضل تو جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ بدر میں مدد کرنے والے بھی دوسرے ملائکہ میں ایسے ہی افضل سمجھے جاتے ہیں۔ [5] بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جب کہ عمر نے قتل حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں مشورہ دیا تھا' کہ حاطب بدر میں شریک ہوا تھا اور تمہیں کیا خبر کہ شاید

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٧٥٤)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب قول الله تعالی اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم (٣٩٥٣) نسائی فی السنن الکبری (١١٥٥٧)]

[3] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٧٦٩)] اس کی سند میں عبدالعزیز بن عمران راوی ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے اسے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ [مزید دیکھئے: میزان (٥١١٩)]

[4] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر (١٧٦٣)]

[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب شهود الملائکة بدرا (٣٩٩٢)]

اللہ پاک نے اہل بدر کو بخش دیا ہو۔ کیونکہ فرمایا تھا کہ اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ [1]

قولہ تعالیٰ ﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللهُ اِلَّا بُشْرٰى ﴾ یعنی فرشتوں کا یہ بھیجنا تمہیں صرف خوش کرنے کے لئے تھا اور یہ کہ تمہارے دل کو اطمینان کی صورت ہو ورنہ اللہ تعالیٰ تو تمہاری مدد کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔ اس کو مدد کے لئے فرشتوں کی محتاجی تھوڑی ہے۔ یہ مدد تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مدد تھی فرشتے تو مدد کی ظاہری صورت تھی۔ جیسا کہ فرمایا جب کبھی تم کافروں کو پاؤ تو ان کی گردن اڑا دو غالب آ جاؤ' تو انہیں زنجیروں میں جکڑ لو پھر یا تو معاف کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ حتیٰ کہ جنگ کا سد باب ہو جائے۔ یہ آیت اس لئے لائی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو خود ان کی مدد کر سکتا ہے۔ لیکن دراصل وہ بعض کو بعض کے ذریعہ آزماتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو کبھی تلف نہیں کرے گا۔ انہیں ہدایت کرے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا [2] اور ارشاد باری ہے کہ ﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ الخ ﴾ [3] ہم زمانہ کو لوگوں میں گھماتے رہتے ہیں اور زمانہ کو بدل بدل کر لاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ جانچ لے اور شہیدوں کو الگ کرے۔ ظالموں سے اللہ تعالیٰ خوش نہیں رہ سکتا۔ اس میں ایمانداروں کا امتیاز ہو جاتا ہے اور کافروں کو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے۔ جہاد کا شرعی فلسفہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو موحدوں کے ہاتھوں سزا دیتا ہے۔ اس سے پہلے وہ عام آسمانی عذابوں سے ہلاک کر دیئے جاتے تھے' جیسے قوم نوح پر طوفان آیا' عاد اولیٰ' آندھی میں تباہ ہوئے۔ اہل ثمود چیخ سے غارت کر دیئے گئے۔ قوم لوط کا طبقہ الٹ گیا اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ شعیب کی قوم کے سر پر پہاڑ معلق کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ان کے دشمن فرعون کو ہلاک کر دیا گیا اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر دیا گیا موسیٰ کو تورات دے کر کفار کو قتل کر دینا فرض قرار دیا گیا اور یہی حکم دوسری شریعتوں کے اندر بھی قائم رہا۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان سے پہلے کی امتیں بھی نافرمانی کے سبب ہلاک کر دی گئی تھیں۔ اس میں لوگوں کے لئے بصیرت ہے۔ [4]

مومنین کا کافروں کو بھی بجائے قید کے قتل کر دینا ان کافروں کی زبردست اہانت کی چیز تھی۔ اور اس سے مومنین کے دل بھی ٹھنڈے ہوتے۔ جیسا کہ امت کے مومنین کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کافروں کو قتل کرو' اللہ پاک تمہارے ہاتھوں انہیں رسوا کرنا اور عذاب دینا چاہتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمہارا دل ٹھنڈا ہو۔ [5] کیونکہ یہ گردن زدنی سرداران قریش مسلمانوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور انہیں ممکنہ آزار پہنچاتے تھے۔ اگر یہ قتل ہو کر سر بازار رسوا ہوتے تو مسلمانوں کے دلوں کو اس انتقام سے کتنی ٹھنڈک پہنچتی۔ چنانچہ ابوجہل جب عین جنگ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب الجاسوس (٣٠٠٧) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل اهل بدر (٢٤٩٤) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن (٣٣٠٥) ابوداؤد : کتاب الجهاد (٢٦٥٠) مسند احمد (١/٧٩)]

[2] [سوره محمد: ٤، ٦]

[3] [سوره ال عمران: ١٤٠]

[4] [سوره القصص: ٤٣]

[5] [سوره التوبه: ١٤]

میں مارا گیا تو اس کی لاش کی بڑی بے عزتی ہوئی کہ اگر بستر پر اپنی موت مرتا تو اس کی کبھی یہ رسوائی نہ ہوتی۔ یا جیسا کہ ابولہب مرا تو ایسا سڑ گیا تھا کہ اس کے قریب ترین اقرباء بھی اس کی لاش کے قریب نہ آتے تھے۔ نہلانے کے بجائے دور سے لاش پر پانی پھینک دیا گیا اور دفن کے طور پر اس کو ایک گڑھے میں گرا دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ عزت کافروں کے لئے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے لئے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور فرمایا کہ ہم اپنے رسولوں اور مومنین کی مدد دنیا میں بھی کرتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ (1) تم کو یہ حکم دینا کہ کفار کو قتل کرو اس میں بھی اس کی خاص حکمت ہے ورنہ کیا وہ خود اپنی قدرت سے انہیں ہلاک نہیں کر سکتا۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے ○ اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو ○ یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں ○ سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے ○

فرشتے میدان بدر میں: اللہ پاک ان احسانات کو یاد دلاتا ہے کہ وقت جنگ تم پر غنودگی طاری کر کے ہم نے تم پر احسان کیا ہے کہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا جو تمہیں احساس تھا اور اس احساس کے تحت تم پر ایک خوف سا طاری تھا اس سے تمہیں مامون کر دیا جائے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یوم احد میں بھی کیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا﴾ (2) الخ، یعنی رنج و غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو غنودگی کی صورت میں تمہیں ڈھانکے ہوئے تھا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے روز مجھے بھی غنودگی آ گئی تھی کہ تلوار میرے ہاتھ سے گری جاتی تھی اور میں اٹھاتا جاتا تھا۔ اور میں لوگوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ ڈھال سر پر لگائے ہوئے

---

(1) [سورہ غافر: ۵۱] (2) [سورہ ال عمران: آیت ۱۵۴]

نیند میں جھول رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بدر کے روز مقداد رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے پاس سواری نہیں تھی۔ ہم سب نیند کے سے عالم میں تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے صبح تک نمازیں پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے روتے رہے۔ [1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بروز جنگ یہ اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا ایک امن کی شکل میں تھی اور نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اونگھ سر میں ہوتی ہے اور نیند دل میں ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ غنودگی یوم احد میں گھیرے ہوئے تھی اور یہ خبر تو بہت عام اور مشہور ہے اور یہاں آیت شریفہ سیاق قصہ بدر میں ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ بدر میں بھی غنودگی طاری تھی اور یہ شدت جنگ میں مومنین پر طاری ہو جایا کرتی تھی تا کہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی مدد سے مطمئن اور مامون رہیں اور یہ مومنین پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے جیسا کہ فرمایا کہ سختی کے ساتھ ساتھ آسانی بھی ہے۔ [2] اسی لئے حدیث میں ہے کہ بروز بدر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بنائے ہوئے کاشانہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دونوں مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے۔ ایسے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ سی آ گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کرتے ہوئے خودی میں آ گئے اور فرمانے لگے، اے ابو بکر! خوش ہو جاؤ وہ ہیں جبرائیل علیہ السلام گرد آلود کیفیت میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانے سے باہر آئے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ ''دشمنوں کو ہزیمت ہوگئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔'' [3] پھر ارشاد ہوتا ہے ﴿يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے تم پر پانی برسایا۔ ایک تو نیند کی سی کیفیت کو تمہارے لئے امن کی وجہ قرار دیا دوسرا احسان تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ پانی برس پڑا جو مسلمانوں کے لئے مفید اور کافروں کے لئے مضر ثابت ہوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بدر میں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا وہاں مشرکوں نے میدان بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہو گئے تھے مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے۔ شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ تم تو بڑے اللہ والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور تم میں رسول بھی موجود ہیں، اور پانی پر قبضہ مشرکوں کا ہے اور پانی سے تم اتنے محروم ہو گئے ہو کہ نماز بھی پڑھتے ہو تو غسل کا تیمّم کر کے پڑھ لیتے ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خوب پانی برسایا۔ مسلمانوں نے پیا بھی اور پاکی وصفائی بھی کی۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کو بھی نیچا دکھایا پانی کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف کی ریت جم گئی لوگوں کو اور جانوروں کو چلنے میں آسانی ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی۔ جبرائیل علیہ السلام ایک طرف پانچ سو فرشتے لئے ہوئے تھے اور میکائیل دوسری طرف پانچ سو فرشتے لئے ہوئے

---

[1] [صحیح: مسند ابویعلی (۲۸۰) مسند احمد (۱/۱۲۵، ۱۳۸) صحیح ابن حبان (۲۲۵۷)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح موارد الظمآن (۱۴۰۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [سورہ انشراح: آیت ۵، ۶]

[3] [بیهقي في دلائل النبوة (۳/۸۰-۸۱) صحيح بخاري: كتاب الجهاد (۲۹۱۵)]

موجود تھے۔ (1) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مشرکین قریش جب ابوسفیان کے قافلے کی مدد کے لئے نکلے اور مسلمانوں سے لڑ بیٹھے تو چشمہ بدر پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان پانی سے محروم ہو گئے۔ پیاس سے تڑپنے لگے۔ نماز بھی جنابت اور حدث ہونے کے حالت میں پڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کے دلوں میں مختلف خیالات پیدا ہونے لگے۔ اب اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا اور میدانوں میں پانی بہنے لگا۔ مسلمانوں نے برتن بھر لئے جانوروں کو پلایا' نہائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکی بخشی اب وہ ثابت قدم بھی ہو گئے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ریت تھی۔ پانی برس گیا تو زمین دب گئی اور سخت ہو گئی مسلمانوں کے قدم جمنے لگے۔ مشہور یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کی طرف چلے تو وہاں پانی کے قریب اترے۔ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مقام جہاں آپ فروکش ہیں' سو کیا بحکم وحی فروکش ہیں جس سے ہم ذرہ بھر سرتابی نہیں کر سکتے۔ یا یہ کہ جنگی مصلحت کے تحت قیام کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا مصلحت کے تحت قیام کیا ہے۔ حباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسی صورت میں اور آگے چلئے آخری پانی پر قبضہ کر لیجئے وہیں حوض بنا کر یہاں کا سب پانی جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی کے بغیر رہ جائے گا۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل کھڑے ہوئے۔ (2) کہتے ہیں کہ حباب رضی اللہ عنہ نے جب یہ مشورہ دیا تو اس وقت آسمان سے ایک فرشتہ اترا اور جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس فرشتہ نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے سلام فرمایا ہے نیز ارشاد فرمایا ہے کہ حباب بن منذر کی رائے تمہارے لئے صحیح ہے''۔ آپ جبرائیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کیا تم اس کو جانتے ہو؟ جبرائیل علیہ السلام نے اس کو دیکھ کر کہا کہ میں تمام ہی فرشتوں کو جانتا تو نہیں ہوں' لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ فرشتہ ہے کوئی شیطان نہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی زمین پانی سے دب کر سخت ہو گئی اور چلنے میں آسانی ہو گئی۔ لیکن کفار کی طرف کی زمین نشیب میں تھی وہاں دلدل ہو گئی انہیں چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے غنودگی کا احسان کرنے سے پہلے پانی برسا کر احسان کیا' گرد و غبار دب گیا' زمین سخت ہو گئی' مسلمان خوش ہو گئے ثابت قدمی بڑھ گئی۔ اب اونگھ آنے لگی۔ مسلمان تازہ دم ہو گئے صبح لڑائی ہونے والی ہے رات کو ہلکی سی بارش ہو گئی۔ ہم نے درخت کے نیچے ہو کر بارش سے پناہ لی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے رہے اور لوگوں سے جنگ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ قولہ ﴿لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ یعنی حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک کرنے کے لئے پانی برسایا اور تاکہ شیطان کے بہکاوے سے بھی تم کو چھڑا دیں' اور یہ دل کی پاکی تھی۔ جیسا کہ اہل جنت کے حق میں فرمایا ہے کہ انہیں پہننے کے لئے ریشمی لباس ملے گا اور سونے چاندی کا زیور ہو گا اور یہ ظاہری زینت ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں شراب طہور پلائے گا اور حسد اور بغض کے کینے سے انہیں پاک رکھے گا اور یہ باطن کی زینت

---

(1) [ضعیف و منقطع : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۷۸۳) بیهقی فی دلائل النبوۃ (۳/۷۸)] یہ روایت علی بن طلحہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان منقطع ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

(2) [مرسل: بیهقی فی دلائل النبوۃ (۳/۳۱، ۳۰)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

ہے۔ پانی برسانے سے یہ بھی غرض تھی کہ تمہارے دلوں کو اطمینان دے کر صابر اور ثابت قدم بنایا جائے۔ یہ صبر اور اقدام باطنی شجاعت ہے اور یہ ثابت قدمی شجاعت ظاہری ہے۔

قولہ ﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنین کو ثابت قدم رکھو۔ یہ نعمت خفیہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر ظاہر فرمارہا ہے تاکہ اس کی شکر گزاری کریں۔ وہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو تاکید فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کی اور دین نبی اور جماعت مومنین کی مدد کریں تاکہ ان کے دل ٹوٹ نہ جائیں وہ ہمت نہ ہار دیں۔ تم بھی ان کے ساتھ کافروں سے قتال کرو۔ کہا گیا ہے کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بد دلی پھیلی ہوئی ہے۔ تو وہ کہہ رہے ہیں اگر مسلمانوں نے حملہ کردیا تو ہمارے قدم نہیں ٹک سکتے۔ ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے اب ہر ایک دوسرے سے کہتا دوسرا تیسرا سے۔ اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت وقوت نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ یعنی اے ملائکہ تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو قوی بناؤ۔ تم ان کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کی ایک ایک پوری کو زخمی کرو۔ ان کے ہاتھ پاؤں قطع کردو۔

مفسرین نے ﴿فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے سر پر مارنے کے معنی لئے ہیں اور بعض نے گردن پر چنانچہ اس معنی کی شہادت اس آیت سے ملتی ہے ﴿فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ [1] یعنی کافروں سے جنگ ہو تو گردنوں پر مارو اور انہیں زنجیروں میں جکڑ لو۔ قاسم سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے نہیں مبعوث ہوا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کا عذاب جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہوتا رہا بلکہ خود لڑ کر گردنیں مار کر اور قید کر کے انہیں عبرت ناک نتیجہ پر پہنچاؤں گا۔ [2] ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ گردنیں مارنا اور کھوپڑی پھوڑنا مراد ہے۔ مغازی اموی میں لکھا ہے کہ جنگ بدر کے روز نبی اکرم ﷺ مقتولین پر سے گزرے اور آپ ﷺ فرمارہے تھے ((یفلق هاما)) یعنی سر ٹوٹے پڑے ہیں، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ ہی بول اٹھے اور جوڑ ملا کر اس کا ایک شعر ہی بنا دیا یعنی ((یفلق هاما من رجال اعزه علینا وهم كانوا اعق واظلما)) یعنی سر ٹوٹے پڑے ہیں ان لوگوں کے جو ہم پر غرور کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور نافرمان تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے گویا ایک بیت کے دو ابتدائی لفظ کہہ دیئے اور منتظر تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو ایک شعر بنا کر پورا کردیں، کیونکہ آپ کے لئے بہ حیثیت شاعر کے ثابت ہونا مناسب نہیں تھا۔ جیسا کہ خود اللہ پاک نے فرمایا کہ ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ﴾ [3] یعنی ہم نے ان کو شاعر نہیں بنایا اور نہ انہیں شاعر ہونا سزاوار تھا۔ یوم بدر

---

[1] [سورۃ محمد: آیت ٤]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٧٩٨)]

[3] [سورہ یس: آیت ٦٩]

میں لوگ ان مقتولین کو پہچان جاتے تھے جو ملائکہ کے ہاتھوں مرے ہیں کیونکہ ایسے مقتولین کا زخم گردن پر یا جوڑ بندوں پر ہوتا تھا اور ایسے نشانات ہوتے تھے گویا آگ سے جلے ہوئے ہیں ﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ اے مومنو! دشمنوں کو ماروان کے جوڑ بندوں پر تا کہ ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں۔ بنان جمع ہے ((بنانة)) کی ہر جوڑ اور ہر حصے کو ((بنان)) کہتے ہیں۔

اوازعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ مطلب ہے کہ اے فرشتو ان کافروں کے چہروں اور آنکھوں پر مارو اور ایسے زخم ڈالو گویا آگ کی چنگاڑیوں سے جلا دیئے گئے ہیں۔ اور کسی کافر کو قید کر لینے کے بعد مارنا نا جائز نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بدر کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے کہہ رکھا تھا کہ قتل کرنے کے بجائے مسلمانوں کو زندہ پکڑو تا کہ تم انہیں مزہ چکھا سکو' ہمارے دین کو برا کہنے' ہم پر طعن کرنے اور لات وعزی سے روگردانی کا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنین کو ثابت قدم رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دوں گا۔ تم ان کی گردنوں اور جوڑ بندوں پر مارو۔ مقتولین بدر میں ابو جہل کا انہتر واں (٦٩) نمبر تھا۔ پھر عقبہ بن ابی معیط قید کر کے قتل کر دیا گیا اور ستر کی تعداد پوری ہوگئی ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت کی تھی اور شرع و ایمان کو چھوڑنے کا پہلو اختیار کیا۔ لفظ ''شق'' ''شق عصا'' سے ماخوذ ہے یعنی اس نے لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ارشاد ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی یعنی مخالفت اختیار کی' کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخالفت کرنے والے پر غالب ہے۔ کسی بات میں اس کو بھول چوک نہیں' اس کے غضب کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ یہ کافروں سے خطاب ہو رہا ہے کہ دنیا میں عذاب ونکال کا مزہ چکھو اور آخرت میں بھی عذاب دوزخ کا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ
الْاَدْبَارَ ١٥ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا
اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ١٦

اے ایمان والو جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا ○ اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ○

میدان جنگ سے فرار کبیرہ گناہ: جنگ کے عالم میں پیٹھ پھیرنے والوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اے ایمان والو جب لڑائی میں تم دونوں گتھ گئے ہو' تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ نہ جانا۔ ہاں کوئی چالبازی کے طور پر بھاگے کہ گویا خوف زدہ ہو گیا ہے تا کہ اس کا تعاقب کیا جائے پھر اکیلا پا کر پلٹ کر حملہ کر کے قتل کر دے تو ایسی مصلحت کے

تحت بھاگنے میں کوئی حرج نہیں' یا اس غرض سے بھاگے کہ مسلمانوں کے دوسرے دستے سے جا ملے تا کہ جا کر ان کی مدد کرے یا وہ اس کی مدد کریں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ وہ اپنے امام کی پناہ میں جانا چاہتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایک چھوٹے سے لشکر کا سپاہی تھا کہ لوگوں میں بھگدڑ پڑ گئی میں بھی بھاگا۔ اب ہمیں احساس ہوا کہ ہم جنگ سے بھاگے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے' اب کیا کریں؟ ہم نے مشورہ کیا کہ مدینے چلیں گے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے اگر ہماری توبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی تو کیا کہنا ورنہ ہم کہیں بھی نکل جائیں گے اور منہ نہ دکھائیں گے۔ چنانچہ ہم قبل از نماز ظہر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا ہم پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے لوگ ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تم لوگ اپنے مرکز کی طرف آنے والے ہو۔ میں تمہارا اور تمہاری جماعت مومنین کا بندھن ہوں۔ ہم نے یہ سن کر آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ [1] ابوداؤد نے اور یہ مزید کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ﴿أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ﴾ [2] اہل علم نے ﴿عکارون﴾ کے معنی عرافون بتائے ہیں یعنی دور اندیش اور نکتہ رس۔ ابوعبیدہ سرزمین ایران کے ایک پل پر قتل کر دیئے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ہوشیاری برت کر انہیں بھاگ آنے کا موقع تھا۔ میں ان کا امیر اور بندھن تھا میرے پاس کیوں نہ آ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''اے لوگو اس آیت سے تم غلط فہمی میں نہ پڑنا۔ یہ آیت یوم بدر کے لئے تھی اور اس وقت میں ہر مسلمان کی جماعت ہوں'' نافع رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ہم لوگ دشمن سے قتال کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہم نہیں جانتے۔ کہ ہمارا مرکز کیا ہے۔ امام یا جنگی مرکز تو کہا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا﴾ تو کہا یہ آیت یوم بدر کے بارے میں اتری ہے نہ اس سے پہلے کے لئے نہ بعد کے لئے ﴿مُتَحَيِّزًا﴾ کے معنی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پناہ لینے والا۔ اسی طرح آج بھی کوئی شخص جنگ کے میدان سے ہٹ کر اپنے امیر یا اصحاب امیر کی طرف پناہ لے سکتا ہے۔ لیکن یہ فرار اگر اس سبب کے سوا کوئی اور اسباب کی بنا پر ہو تو یہ حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ ① شرک باللہ۔ ② جادو کرنا۔ ③ کسی کو ناحق قتل کر دینا۔ ④ سود کھانا۔ ⑤ مالِ یتیم کھا جانا۔ ⑥ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔

---

[1] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الجھاد : باب فی التولی یوم الزحف (٢٦٤٧) ترمذی : کتاب الجھاد : باب ماجآء فی الفرار من الزحف (١٧١٦) ابن الجارود (١٠٥٠) بیھقی (٧٦/٩) بخاری فی الادب المفرد (٩٧٢) بغوی فی شرح السنة (٦٨/١١) ابونعیم فی الحلیة (٥٧/٩) مسند احمد (٧٠/٢، ٨٦) مسند شافعی (٣٨٨) مسند حمیدی (٦٨٧)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ھے ۔ [ضعیف ابوداود ، ارواء الغلیل (١٢٠٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یزید بن ابی زیاد راوی پر متعدد ائمہ نے کلام کیا ہے۔]

[2] [ایضا]

⑦ پاک دامن اور بے گناہ عورتوں پر الزام لگانا۔ [1] یہ بات اور کئی طرح بھی ثابت ہے کہ یہ آیت بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بھاگے گا تو اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر بھاگے گا۔ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ بشیر بن معبد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں [2] کہ میں بیعت کرنے کے لئے حضرت ﷺ کے پاس آیا تو بیعت کے لئے آپ نے یہ شرط کی کہ ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی گواہی دو میری رسالت کو مانو نماز پابندی سے پڑھو زکوۃ دیتے رہو حج کرو رمضان کے روزے رکھو اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو گے۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ اس میں دو باتیں میرے لئے دشوار ہیں ایک تو جہاد کہ اگر بہ حالت جنگ کوئی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہو جائے گا اور مجھے خوف ہے کہ موت سے گھبرا کر کہیں مجھ سے یہ گناہ سرزد نہ ہو جائے۔ دوسرے صدقہ سو اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے غنیمت اور اس کے سوا کچھ نہیں ملتا ہے اور دس اونٹنیاں ہیں جن کا دودھ دوھ لیا' پیا پلایا' اس پر سواری کر لی۔ تو حضرت نے میرا ہاتھ تھام لیا اس کو ہلایا اور کہا جہاد بھی نہ کرو گے صدقہ بھی نہ دو گے پھر جنت کا استحقاق کیسے حاصل کرو گے۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! مجھے منظور ہے میں ہر شرط پر بیعت کروں گا۔ [3] یہ حدیث غریب ہے۔ صحاح ستہ میں موجود نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تین کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے کوئی عمل نیک بھی کارآمد نہیں ہو سکتا ① شرک باللہ۔ ② والدین کی نافرمانی ان سے سرکشی۔ ③ میدان جنگ سے بھاگ جانا۔ [4] یہ حدیث بھی غریب ہے۔

زید سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ﴾ پڑھا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ جنگ سے فرار کا گناہ بھی ہو۔ [5] یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حضرت زید خادم نبی ﷺ نے اس کے سوا اور حدیث بیان نہیں کی۔ بعض نے یہ حکم لگایا ہے کہ فرار از

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الوصایا (۲۷۶٦) و کتاب الطب (۵۷٦٤) و کتاب الحدود (٦٨٥٧) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان الکبائر واکبرھا (۸۹) نسائی: کتاب الوصایا (۳٦۷۳) ابوداؤد: کتاب الوصایا (۲۸۷٤)]

[2] [ضعیف: مسند احمد (۲۲٤/۵) طبرانی کبیر (٤٤/۲) مجمع البحرین (٤٠) مجمع الزوائد (٤۲/۱)] امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ احمد کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ شیخ البانی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [کلمة الاخلاص لابن رجب (ص: ۱٦)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور اسے ضعیف کہنے والے نے خطا کی ہے۔]

[3] [ایضا]

[4] [ضعیف جدا: طبرانی کبیر (۱٤۲۰) مجمع الزوائد (۳۸۷)] اس کی سند میں یزید بن ربیعہ راوی ضعیف ہے۔ شیخ البانی اس روایت کو سخت ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعیفة (۱۳۸٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، شیخ عبدالرزاق مہدی، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[5] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الصلاة: باب فی الاستغفار (۱۵۱۷) ترمذی: کتاب الدعوات: باب فی دعا الضیف (۳۵۷۷) طبرانی کبیر (۸۹/۵)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود، التعلیق الرغیب (۲٦۹/۲)]

جنگ صحابہ پر حرام تھا اس لئے کہ جہاد اس وقت انہیں پر فرض تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ صرف انصار پر فرض تھا اس لئے کہ بیعت انہیں نے کی تھی اور کہا تھا کہ سختی اور راحت ہر حالت میں ہم فرماں بردار رہیں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت صرف اہل بدر سے مخصوص ہے۔ دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مستقل اور صاحب شوکت جماعت تھی ہی نہیں جو کچھ تھے یہی مٹھی بھر لوگ تھے اس لئے ایسے حکم کی سخت ضرورت تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث اسی حالت پر روشنی ڈالتی ہے کہ یا اللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو بھی ہلاک کر دے گا تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ [1] حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یوم بدر میں یہ بات ضروری تھی لیکن آج اگر کوئی اپنے امام کی طرف یا اپنے قلعہ کی طرف پناہ لے تو کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ یوم بدر میں بھاگنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوزخ قرار دے دی لیکن استثناء بھی کر دیا کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے حکمت عملی کی خاطر یا اپنی جماعت میں آ کر جماعت میں آکر محفوظ ہو جانے کے لئے ایسا کیا تو خیر حرج نہیں۔ پھر اس کے بعد جنگ احد ہوئی تو فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ [2] پھر سات سال بعد جنگ حنین ہوئی تو فرمایا ﴿ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾ [3] اور ﴿ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ﴾ اور پھر یہاں فرمایا ﴿وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ﴾ یہ آیت اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [4] اس ساری تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر اہل بدر بھی بوقت جنگ اگر فرار کریں تو بھی یہ حرام ہونا چاہیے۔ اگرچہ یہ آیت بوقت جنگ بدر نازل ہوئی تھی لیکن جب اس کو سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا تو حرام ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾ ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ﴿١٨﴾

سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔ اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں ○ ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا ○

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب امداد الملائكة فی غزوة بدر (۱۷۶۳) ترمذی: کتاب التفسیر: سورة الانفال (۳۰۸۱) مسند احمد (۱/۳۰-۳۲)]

[2] [سورہ ال عمران: آیت ۱۵۵]

[3] [سورہ التوبہ: آیت ۲۵]

[4] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی التولی یوم الزحف (۲۶۴۸) نسائی فی السنن الکبری (۱۱۲۰۳) مستدرك حاكم (۳۷۲/۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۸۰۰/۱۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

جنگ بدر میں کامیابی اللہ کی نصرت سے: اس بات پر روشنی ڈالی جارہی ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ پاک ہے اور جو نیک کام بندوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی نے نیک بنایا ہے کیونکہ توفیق اسی نے دی تھی اور کام کرنے کی ہمت وقدرت اسی نے بخشی تھی۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے تمہاری طاقت میں یہ کہاں تھا کہ اتنے کم ہونے کے باوجود دشمن کی اتنی کثیر التعداد فوج کو شکست دیتے یہ کامیابی اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں دی۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ [1] یعنی بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں کامیاب بنایا حالانکہ تم بہت کمزور تھے۔ اور فرمایا ﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ الخ ﴾ [2] یعنی اللہ تعالیٰ نے اکثر مواقع پر تمہاری مدد فرمائی۔ حنین کی جنگ میں تمہاری کثرت نے تم کو مغرور بنا دیا تھا لیکن اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ زمین اتنی کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کامیابی کثرت تعداد پر نہیں اور نہ تعداد اور ہتھیاروں پر ہے کامیابی تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی بات ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ﴾ [3] بہت دفعہ ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔ پھر مٹھی بھر مٹی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے جو جنگ بدر میں کافروں کے منہ پر آپ نے پھینکی تھی کہ میدان جنگ کی جھونپڑی سے آپ ﷺ باہر آئے اللہ تعالیٰ سے دعا اور تضرع کی' یہ مٹی کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ پھر اصحاب کو حکم دیا کہ فوراً دھاوا بول دو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ یہ مٹی اور کنکر مشرکین کی آنکھوں میں جا گرے۔ ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس سے متضرر نہ ہوا ہو اور جس کو جنگ سے قاصر نہ رہنا پڑا ہو۔ اسی لئے فرمایا کہ ﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ یعنی تم نے مٹی نہیں پھینکی تھی اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔ آنکھوں میں مٹی جھونک کر تم نے انہیں سرنگوں نہیں کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم بدر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ یہ مٹھی بھر لوگ مر جائیں گے تو کون تیرا نام لیوا باقی رہے گا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ مٹھی بھر مٹی ان کافروں کی طرف پھینک مارو۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ کافروں کی ناک' کان' اور منہ مٹی سے بھر گیا اور اس گرد آلود آندھی سے گھبرا کر وہ پچھلے پاؤں بھاگے اور شکست ہوگئی۔ [4] مسلمانوں نے ان کو قتل کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا اور قید کر لیا۔ کافروں کو یہ ہزیمت حضرت ﷺ کے معجزے کے سبب ہوئی۔ عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے تین کنکر لئے تھے ایک سامنے پھینکا دو کنکر دشمن کی فوج کے سیدھی و بائیں طرف پھینکے تھے۔ [5] یہ یوم بدر کا واقعہ ہے حضرت ﷺ نے اس طرح یوم حنین میں بھی کیا تھا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے روز ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی گویا ایک تھال میں کنکر ڈال کر ہلائے گئے ہوں۔ یہ

---

[1] [آل عمران: ۱۲۳] [2] [التوبہ: ۲۵] [3] [البقرہ: ۲۴۹]

[4] [**ضعیف ومنقطع**: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۸۴۰) بیہقی فی دلائل النبوۃ (۳/۷۸، ۷۹)]

[5] [**مرسل وضعیف**: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۸۳۹)]

حضرت ﷺ کی مٹی پھینکنے کی آواز تھی۔ چنانچہ ہمیں ہزیمت ہوگئی تھی۔ [1] یہاں اور دو قول ہیں جو بہت غریب ہیں۔

عبدالرحمٰن بن جبیر رحمہ اللہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کمان منگوائی' یہ بہت لمبی تھی۔ حضرت ﷺ نے دوسری لانے کا حکم دیا۔ دوسری لائی گئی۔ حضرت ﷺ نے اس سے قلعہ کی طرف ایک تیر پھینکا یہ تیر گھومتا ہوا چلا اور سردار قبیلہ ابن ابی حقیق کے آ لگا جب کہ وہ اپنے بستر پر تھا۔ اسی بناپر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ ﴾ الی آخرہ۔ [2] یہ حدیث غریب ہے ممکن ہے کہ روای کو شبہ ہو گیا ہو یا اس کی مراد یہ ہو کہ یہ آیت عام ہے اور اس واقعہ کو بھی شامل ہے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سورہ انفال کی اس آیت میں جنگ بدر کا ذکر ہے تو یہ واقعہ اسی جنگ بدر کا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

از زہری رحمہ اللہ یہ کہ احد کی لڑائی کے دن آنحضرت ﷺ نے ابی بن خلف کے ایک نیزہ مارا تھا۔ یہ شخص زرہ بکتر اور لوہے میں غرق تھا یہ نیزہ اس کے تالو پر جالگا اور وہ گھوڑے سے لڑھکنے لگا۔ اس کے کئی دن بعد اسی تکلیف سے اس کی موت واقع ہوئی۔ وہ عذاب دنیوی کے علاوہ عذابِ آخرت کا بھی مستحق ہوا۔ [3] ان دونوں اماموں سے ایسی روایت بہت غریب ہے۔ شاید ان دونوں کا یہی مقصد ہو کہ آیت عام ہے خاص واقعہ ہی سے متعلق نہیں۔ بلکہ جب کبھی ایسا ہو تو ہر واقعہ اسی آیت سے متعلق ہو سکتا ہے۔ ﴿ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ﴾ تاکہ مومنین اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو معلوم کر لیں کہ دشمن ان سے بہت زیادہ ہونے کے باجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ دیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا امتحان ہم سے لیا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون مدد کا مستحق ہے اور کون نہیں ﴿ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ یہ نصرت حاصلہ کی دوسری بشارت ہے کہ اللہ پاک معلوم کرا رہا ہے کہ وہ کافروں کی چالوں کو ناکام بنا دینے والا ہے اور مستقبل میں ان کو ذلیل کرنے والا ہے اور وہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ۧ ﴿١٩﴾

ع ٢ ١٦

اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت خوب ہے۔ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی گو کتنی زیادہ ہو۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے ○

حق پر کون: کافروں سے خطاب ہے کہ اگر تم فتح مانگ رہے اور اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے تھے کہ ہمارے اور دشمنوں

[1] [**ضعیف**: تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٨٣٥)] اس کی سند میں عبدالعزیز بن عمران راوی ضعیف ہے۔]

[2] [**مرسل و ضعیف**: تفسیر ابن جریر الطبری (١٣/٤٤٣)]

[3] [**مرسل و ضعیف**: تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٨٤٢) مستدرك حاكم (٢/٣٢٧)]

کے درمیان فیصلہ کردے تو جو تم مانگتے تھے وہی ہوا۔ اے اللہ تعالیٰ! جس نے ہم سے قطع تعلق کر رکھا ہے اور غیر مانوس باتیں ہمیں پیش کر رہا ہے کل اسے ذلیل کر یہ تو انہیں کافروں کی مانگ تھی۔ [1] پس یہ آیت اتری کہ ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ﴾ تم فتح مانگ رہے تھے لو فتح آ گئی۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مشرکین جنگ بدر کے لئے جب مکے سے چلنے لگے تو غلاف کعبہ کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے اور کہنے لگے ''اے اللہ! دونوں فریقوں میں جو تیرے نزدیک افضل ہے اور جس کا قبلہ بہتر قبلہ ہے اس کی مدد فرما''۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ تم جیسا کہتے ہو ویسی ہی میں تمہاری مدد کرتا ہوں اور وہ مدد محمد ﷺ کے ساتھ ہو گی۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ﴿وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ﴾ یعنی اگر تم کفر سے باز آ جاؤ گے تو اس کے اندر دین دنیا میں تمہاری بھلائی ہے اور اگر تم نے پھر شرک و کفر کیا تو ہم بھی دوبارہ سزا دیں گے اور کفر و ضلالت کا تم نے پھر اعادہ کیا تو ہم بھی پھر ایسا ہی مزا چکھائیں گے اور دوبارہ محمد ﷺ کو فتح و نصرت دیں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو کچھ تمہارے کام نہ آئے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ ہو اس پر کون غالب آ سکتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے اور یہی نبی ﷺ کی جماعت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم سن لیتے ہی ہو ○ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں ○ بیشک بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے ○ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے۔ اور اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے ○

اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم: مومنین کو اطاعت اللہ اور رسول اللہ ﷺ اور ترک مخالفت کا حکم ہوتا ہے اور یہ کہ کافروں سے مشابہت نہ پیدا کرو۔ اور اسی لئے فرمایا ﴿لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ یعنی اطاعت اور امتثال امر نہ چھوڑو۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ حالانکہ تم جانتے ہو کہ نبی اکرم ﷺ کس بات کی طرف بلا رہے ہیں اور ان لوگوں سے مشابہت نہ پیدا کرلو جو کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے' بعض کہتے ہیں کہ اس سے منافقین مراد ہیں

---

[1] [حسن: مسند احمد (٥/٤٣١) النسائی فی التفسیر (٢٢١) مستدرك حاكم (٢/٣٢٨) تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٨٥٢)] امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ابن کثیرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔
[السیرة النبویة (٢/٤٣٤)]

جن کا وتیرہ یہ تھا کہ زبان سے تو کہتے تھے کہ ہم سنتے ہیں قبول کرتے ہیں۔لیکن خاک نہیں سنتے تھے۔ پھر آگاہ فرمایا جارہا ہے کہ بنی آدم کی یہ قسم فطرتاً ساری مخلوق سے بدتر ہے۔ چوپایوں اور جاندار میں بدترین وہ ہیں جو حق بات سننے میں بہرے ہیں، حق بات بولتے نہیں گونگے ہیں۔ عقل ہی نہیں رکھتے کیونکہ حق بات سمجھتے نہیں یہ بدترین مخلوق ہے اور یہ کافر انسان ہیں جانور تو جس فطرت پر پیدا شدہ ہیں، اسی ڈھرے پر چل رہے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔انسان تو ازروئے فطرت عبادت کے لئے پیدا کئے ہیں۔لیکن پھر بھی یہ کفر کرتے ہیں یعنی خلاف فطرت کرنے کی وجہ سے جانوروں سے بھی بدتر ہیں اسی لئے انہیں جانوروں سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ کافروں کی مثال اس جانور کی سی ہے جو پکارنے والے کا مطلب تو کچھ نہیں سمجھتا صرف آواز کو سنتا ہے۔ (1) پھر فرمایا بلکہ یہ کافر جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ایسے ہی لوگ انتہائی غفلت میں ہیں۔کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قریش کے بنی عبدالدار کے لوگ ہیں۔ (2) بعض کا خیال ہے کہ اس سے منافقین مراد ہیں۔مگر مشرکین ومنافقین میں کوئی منافات نہیں اس لئے کہ یہ دونوں فرقے بے عقل اور مسلوب الفہم ہیں اور عمل صالح کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جانتا ہوتا کہ یہ سمجھانے سے سمجھ جائیں گے اور ان میں کوئی خیر ہو سکتی تو اللہ تعالیٰ انہیں سنا تا یعنی سننے کی قوت دیتا۔تقدیر کلام یہ ہے کہ چونکہ ان میں خیر ہی نہیں اس لئے وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور ﴿وَلَوْ فَرَضْنَا﴾ اللہ تعالیٰ انہیں سنائے بھی تو بھی یہ کمبخت سیدھی راہ اختیار نہ کریں گے اور پھر بھی اعراض ہی کریں گے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱسۡتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيكُمۡۖ وَٱعۡلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيۡنَ ٱلۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيۡهِ تُحۡشَرُونَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ اور رسول کے کہنے کو بجا لایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان میں اور بلاشبہ تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جمع ہونا ہے ○

اللہ اور رسول کی بات ماننے میں ہی نجات: اے ایمان والو تمہاری ہی اصلاح اور مصلحت کی خاطر جب نبی اکرم ﷺ تمہیں بلائیں تو فوراً قبول کرلو اور تعمیل حکم میں جلدی کرو۔ابو سعید ابن المعلی کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا گزر ہوا۔آپ نے مجھے آواز دی لیکن نماز میں ہونے کے سبب میں نہ جا سکا۔نماز پڑھ کر میں پہنچا تو فرمایا کہ کیوں اب تک نہیں آئے۔کیا تم سے اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول تمہارے ہی بھلے کے لئے تمہیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ میں یہاں سے چلنے سے قبل تمہیں قرآن کی ایک عظیم سورت تعلیم کروں گا۔ پھر حضرت محمد ﷺ جانے لگے تو میں نے یاد دلایا۔ (3) غرض فوری تعمیل کا حکم ہے اور روایت ہے کہ

---

(1) [سورہ البقرہ: آیت ۱۷۱]

(2) [**صحيح** : صحيح بخاري : كتاب التفسير : باب ان شر الدواب عند الله (٤٦٤٦)]

(3) [**صحيح** : صحيح بخاري : كتاب التفسير : باب يايها الذين امنوا استجيبوا (٤٦٤٧)]

یہ واقعہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ نے وہ سورت سورہ فاتحہ بتائی اور فرمایا یہی ''سبع مثانی'' ہے۔ یعنی سات آیتیں ہیں جو ہر وقت نماز میں دہرائی جاتی رہتی ہیں۔ اس حدیث کا بیان سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ کے معنی ہیں حق کی خاطر۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی قرآن ہے جس میں نجات، بقا اور حیات ہے۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسلام لانے میں ہی ان کی زندگی ہے اور کفر میں موت ہے یا یہ کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جنگ کے لئے بلائیں کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت بخشی حالانکہ اس سے پہلے تم ذلیل تھے اور ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی اور پہلے تم کافروں سے مغلوب تھے پھر تم ان پر غالب ہو گئے۔ قولہ تعالیٰ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور انسان کے دل کے درمیان حائل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ حائل ہے مومن اور کفر کے درمیان اور کافر کے اور ایمان کے درمیان کہ مومن کو کفر کرنے نہیں دیتا اور کافر کو ایمان لانے نہیں دیتا۔ [1] مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ یوں حائل ہے کہ کافر کو سمجھنے نہیں دیتا۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ اس کی اجازت کے بغیر ایمان لائے یا کفر کرے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت جیسی ہے کہ ﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ [2] اور بہت ساری احادیث اس کے مناسب حال وارد ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ﴿يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ﴾ اے دلوں کو بدلنے والے میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ، تو ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان لا چکے ہیں۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر کوئی اندیشہ ہے؟ فرمایا ہاں، کیونکہ کیا عجب تم بدل جاؤ۔ کیونکہ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جب چاہے بدل دے۔ [3] نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو سیدھا رکھنا چاہے تو وہ سیدھا رہتا ہے اگر چاہے بگاڑ دے تو وہ دل بگڑ جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ میزان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلکا کر دے چاہے بھاری۔ [4]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا دل بدل جاتے ہیں۔ فرمایا ہاں، اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو انسان کے دل کو سیدھا اور مستقیم رہنے دے اور اگر چاہے تو وہ ٹیڑھا کر دے اسی لئے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا

---

[1] [الدرالمنثور للسیوطی (۳/۳۲۰)] [2] [سورہ ق: آیت ۱۶]

[3] [صحیح: مسند احمد (۳/۱۱۲ـ۲۵۷) ترمذی: کتاب القدر: باب ماجاء ان القلوب بین اصبعی الرحمن (۲۱۴۰) مستدرك حاکم (۱/۵۲۶) مسند ابویعلی (۳۶۸۷)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی]

[4] [صحیح: مستدرك حاکم (۱/۵۲۵) ابن ماجه: مقدمه: باب فیما انکرت الجهمية (۱۹۹) مسند احمد (۴/۱۸۲) نسائی فی السنن الکبری (۷۷۳۸) صحیح ابن حبان (۹۴۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۲۰۹۱)]

مانگتے ہیں کہ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ یعنی اے اللہ تعالیٰ ہدایت پر ہونے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دے اور اپنی طرف سے ہمارے لئے رحمت بھیج، تو بڑا وہاب اور بخشنے والا ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی دعا سکھلایئے کہ میں اپنے لئے وہ مانگتی رہوں، تو فرمایا یوں دعا مانگا کرو ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا اَحْيَيْتَنِيْ﴾ (۱) حضرت ﷺ نے فرمایا کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے پاس قلب واحد کی تعریف میں ہیں کہ انہیں جس طرح چاہے پھیرے۔ پھر فرمایا ﴿اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰى طَاعَتِكَ﴾ یعنی اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ (۲)

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں ○

آزمائش سے ڈراوا: مومنین کو آزمائش سے ڈرایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش گنہگار اور نیکوکار سب سے متعلق ہوگی، صرف گنہگار اس سے مخصوص نہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یا ابو عبد اللہ تمہیں کیا ہوگیا، امیر المومنین (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو کھو دیا۔ پھر ان کے خون کے دعوے دار بن گئے دعوے دار ہی بننا تھا تو انہیں قتل کیوں ہونے دیا۔ تو زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش تھی جس میں ہم لوگ مبتلا ہوگئے ہم نبی ﷺ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں قرآن کے اندر پڑھتے تھے ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ یعنی تم بھی ایسی آزمائش میں مبتلا ہوگے جو صرف ظالموں ہی سے مخصوص نہیں، بلکہ سب کا امتحان ہوگا۔ لیکن ہمیں گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں کو اس سے سابقہ پڑے گا حتیٰ کہ وہ آزمائش ہم پر آ پڑی اور مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ مرے اور قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے اس فتنہ کی ابتداء ہوگئی۔ (۳)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت علی، عمار، طلحہ اور زبیر کے بارے میں اتری ہے رضی اللہ عنہم

---

(۱) [مسند احمد (۳۰۲/۶)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کا کچھ حصہ شواہد کی بنا پر صحیح ہے، البتہ یہ سند شہر بن حوشب کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢٦٥٧٦)]

(۲) [**صحیح**: مسند احمد (١٦٨/٢) صحيح مسلم: كتاب القدر: باب تصريف الله تعالى القلوب كيف شاء (٢٦٥٤)]

(۳) [**جید**: مسند احمد (١٦٥/١)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو جید کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (١٤١٤)]

زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ہمیشہ یہ آیت پڑھتے رہتے تھے لیکن کیا خبر تھی کہ اس کا مصداق ہمیں ہوں گے۔ سدی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ خاص کر اہل بدر کے حق میں اتری ہے۔ جنگ جمل میں وہی اس کا مصداق بنے اور آپس میں لڑ بیٹھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ اس سے صرف اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومنین کو حکم ہے کہ بدی کو اپنے اندر چلنے نہ دو۔ جہاں کسی کو امر منکر میں مبتلا دیکھو فوراً روک دو۔ ورنہ عذاب سب پر ہونے لگے گا۔ یہی تفسیر اچھی تفسیر ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تم میں سے ہر شخص اس آزمائش میں مبتلا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ [1] پس تم میں سے ہر شخص کو فتنوں کی گمراہیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا چاہیے کیونکہ یہ تحذیر صحابہ اور غیر صحابہ سب پر شامل ہے۔ اگر چہ یہ ضرور صحیح ہے کہ خطاب صحابہ سے ہے۔ یہ حدیث فتنوں اور آزمائشوں سے ڈرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس موضوع سے متعلق ان شاء اللہ ایک مستقل کتاب میں صراحت کی جائے گی کہ یہ کام آئمہ نے بھی مستقل کتابوں کی صورت میں انجام دیا ہے۔ یہاں جس چیز کا خصوصیت سے ذکر ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل خواص کے عمل کے سبب عوام پر عذاب نہیں بھیجتا ہے' لیکن جب کہ خاص لوگ امر منکر قوم میں پھیلا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کے روکنے پر قادر ہوتے ہیں لیکن اپنے اقتدار کو کام میں لا کر نہیں روکتے تو پھر عمومی عذاب آ جاتا ہے اور اس میں خاص وعام سب گرفتار بلا ہو جاتے ہیں۔ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے عذاب نہ آئے گا اور جہاں بری باتوں سے تم نے روکنا چھوڑ دیا اور نیک کام کی ترغیب سے رک گئے تو اللہ پاک تم پر سخت ترین عذاب بھیج سکتا ہے' پھر تم لاکھ دعا کرو گے دعا قبول نہیں ہوگی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تم پر دوسری قوم کو مسلط کر دے گا پھر تمہاری ساری دعائیں بےکار ہو جائیں گی۔ [3] ابوالزناد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام کو حذیفہ کی طرف بھیجا تو وہ اس وقت کہہ رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر ایک بات بھی۔ کوئی اس قسم کی کہہ دیتا تو اس کو منافق سمجھنے لگتے' لیکن آج ایک نشست میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے میں ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں' تم کو چاہیے کہ نیک کاموں کا حکم دیا کرو' بری باتوں سے فوراً روک دیا کرو' لوگوں کو خیر پر ابھارا کرو' ورنہ تم سب کے سب عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ یا عذاب اس نوعیت کا ہوگا کہ تمہارے حاکم بدلوگ بنا دیئے جائیں گے

---

[1] [سورہ التغابن: آیت ۱۵]

[2] [حسن لغیرہ: مسند احمد (۱۹۲/٤) طبرانی کبیر (۱۳۹/۱۷) مجمع الزوائد (۲۷۱/۷)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (۱۷۷۲۰)]

[3] [صحیح: ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجاء في الامر بالمعروف والنهي عن المنكر (۲۱٦۹) مسند احمد (۳۹۱/۵)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں۔[السلسلة الصحيحة (۲۸٦۸)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

پھر اچھے لوگ بھی لاکھ دعائیں کریں کچھ نہ ہوگا۔ (۱)

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے تھے اور اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حدود پر قائم رہنے والے اور حدود اللہ تعالیٰ کو توڑنے والے یا اس میں سستی وغفلت کرنے والوں کی مثال یوں سمجھو جیسے چند لوگ کسی کشتی میں سوار ہیں کشتی کے اوپر کے لوگ نیچے کے لوگوں کی تکلیف کا سبب بنے اور نیچے کے لوگوں نے اوپر کے لوگوں کو تکلیف پہنچائی یعنی نیچے کے لوگوں کو پانی کی ضرورت ہوئی تو اوپر گئے تاکہ پانی کھینچ لائیں لیکن اوپر والوں کو تکلیف ہونے لگی تو کہنے لگے کہ اگر ہم کشتی کے نیچے ہی سے کوئی تختہ ہٹا کر پانی کی سبیل کرلیں تو اوپر والوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ غرض یہ کہ ظاہر ہے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوا ہوگا کشتی میں پانی آنے کے سبب سے سب ڈوب گئے ہوں گے چاہیے کہ کشتی میں سوراخ کرنے سے انہیں روک دیا جائے۔ اسی طرح اگر ان گنہگاروں کو تم چھوڑ دو گے امر گناہ سے روکو گے نہیں تو کشتی والوں کی طرح تم سب کے سب ہلاک ہوجاؤ گے اگرچہ کشتی کے اوپر والوں کی طرح تمہارا قصور نہ ہو اس لئے کہ یہ سزا ہے اس بات کی کہ روکا کیوں نہیں۔ (۲)

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ معاصی جب میری امت میں عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ عذاب کو عام کردے گا۔ تو میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس میں نیک لوگ بھی تو ہوں گے۔ آپ نے فرمایا' ہاں وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لیکن مرنے پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت انہیں حاصل رہے گی۔ (۳)

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے سر زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو○

نصرت ورحمت کی یاد دہانی: اللہ پاک ان نعمتوں کو بتا رہا ہے جو مومنین پر کی گئیں کہ وہ تعداد میں کم تھے ہم نے انہیں بڑھا دیا' وہ کمزور تھے اور خائف تھے' ہم نے قوی بنا دیا اور خوف کے اسباب دور کردیئے غریب اور فقیر تھے

---

(۱) [مسند احمد (۵/۳۹۰) مجمع الزوائد (۱۰/۲۹۷)] علامہ ابن طاہر مقدسیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عمرو بن عبدالغفار راوی ضعیف ہے۔[ذخيرة الحفاظ (۱٤۲۱)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعيف الجامع (٤٦٥٠) السلسلة الضعيفة (٤٢٩٨)]

(۲) [**صحيح**: صحيح بخاری: كتاب الشهادات: باب القرعه فی المشكلات (٢٦٨٦) ترمذی: كتاب الفتن (٢١٧٣) مسند احمد (٤/٢٦٨، ٢٧٠)]

(۳) [**صحيح**: مسند احمد (٦/٢٩٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (١٣٧٢) صحيح الجامع الصغير (٦٨٠)]

انہیں پاک رزق دیا' انہیں شکر گزار بنایا وہ اطاعت کرنے لگے اور ہر بات میں فرماں بردار ہوگئے۔ یہ تھا حال مومنین کا جب کہ وہ مکے میں تھے اور تعداد میں بہت تھوڑے تھے' کمزور تھے' مشرک' مجوسی' رومی سب کے سب ان کی قلت اور عدم قوت کے سبب ان کے قتل کے درپے ہوگئے تھے۔ ہر آن انہیں خوف تھا کہ وہ اچک لئے جائیں گے۔ یہی حالت ایک عرصہ تک رہی اللہ تعالیٰ نے انہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ وہاں انہیں پناہ ملی۔ مدینے کے لوگوں نے ان کی مدد کی۔ یوم بدر اور دوسری لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا۔ جان و مال ان پر قربان کردیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا چاہتے تھے ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرب میں یہ لوگ بہت ہی خستہ حالی میں تھے' ان کی زندگی بہت تباہ تھی' پیٹ سے بھوکے جسم سے ننگے راہ سے بے راہ' جو بھی تھا بدنصیب' انہیں تو کھانے کو نہ ملتا تھا بلکہ انہیں کو کھایا جارہا تھا ہمیں تو نہیں معلوم کہ دنیا بھر میں ان سے بڑھ کر کوئی بھی ذلیل حالت میں ہو لیکن اسلام لانے کے بعد کیا ہوا' یہی ذلیل لوگ ملکوں پر قابض ہوگئے' امیر اور بادشاہ بن گئے' رزق ڈھیروں ملنے لگا۔ بادشاہوں پر بھی حکم چلانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ سب کچھ دیا جو آج تم دیکھ رہے ہو۔ اب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ وہ منعم حقیقی ہے۔ شکر گزار بندوں کو پسند کرتا ہے اور دولت و نعمت کو اور بڑھاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ ع

رکوع ۱۷

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو جانتے ہو ○ اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے ○

اللہ و رسول کی خیانت کا مفہوم: یہ آیت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری ہے جب کہ حضرت ﷺ نے انہیں بنو قریظہ کے یہودیوں کی طرف بھیجا تھا کہ حکم رسول کی شرط مانتے ہوئے قلعہ خالی کردیں۔ یہودیوں نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہی سے مشورہ مانگا۔ انہوں نے ان کے حسب مرضی مشورہ دیا۔ اس کے بعد ہی ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا اور وہ تاڑ گئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہوئی۔ چنانچہ حسب مرضی مشورہ دیا۔ چنانچہ قسم کھا بیٹھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانہ لے گا مر جائیں گے لیکن کھانا نہ کھائیں گے۔ اب مدینے کی مسجد میں آئے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا۔ نو دن اسی حالت میں گزرے۔ بھوک پیاس سے غش کھا کر گر گئے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی۔ لوگ بشارت دیتے ہوئے آئے اور چاہا کہ ستون کھول دیں۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے صرف رسول اللہ ﷺ کھول سکتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کھولا اور کہنے

لگے یارسول اللہ ﷺ! میں نے سب اپنا مال صدقہ کردیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں' صرف تیسرا حصہ صدقہ ہوگا۔ [1] مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ لحاظ مضمون یہ آیت قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی سے متعلق ہے کیونکہ امیر کو فتنہ وفساد کر کے قتل کر دینا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہے۔ [2]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ابوسفیان مکے سے نکلے' جبرائیل علیہ السلام نے آ کر حضرت ﷺ کو خبر کردی کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے تو حضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے اس کو گرفتار کرنے کے لئے نکلو اور یہ معاملہ بالکل راز میں رہے۔ لیکن ایک منافق نے ابوسفیان کو لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ تم کو پکڑنے کے درپے ہیں' ہوشیار ہو جاؤ تو یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیانت نہ کرؤ رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر کردینا یہی رسول اللہ کی خیانت ہے یہ حدیث غریب ہے۔ آیت کے سیاق سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ مسلم و بخاری میں حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ یوں لکھا ہے [3] کہ انہوں نے کفار قریش کو نبی اکرم ﷺ کے قصد سے آگاہ کرنے کے لئے خط لکھا۔ یہ فتح مکہ کے وقت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرما دیا آپ ﷺ نے پیچھے ہی آدمی کو دوڑایا' وہ خط پکڑا گیا۔ حاطب کو بلایا گیا' حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ اس کی گردن اڑا دیجئے' اس نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے خیانت کی ہے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا عمر جانے بھی دو یہ بدر کے جہاد میں شریک تھا کیا تمہیں خبر نہیں کہ مجاہدین بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ میں نے تمہیں بخش دیا تمہارے سب گناہ معاف ہیں۔ غرض یہ کہ صحیح تر یہی بات ہے کہ آیت میں عمومیت ہے اگرچہ یہ درست ہے کہ آیت کا شان نزول ایک سبب خاص ہے' اور علماء کے نزدیک عموم لفظ کے قائل ہو سکتے ہیں۔ خصوص سبب نہیں تو نہ سہی۔ اور خیانت کی تعریف میں چھوٹے بڑے لازم اور متعدی سب ہی گناہ شامل ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہاں لفظ امانت سے وہ سارے اعمال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کر رکھے ہیں۔ مراد یہ کہ فریضہ کو نہ توڑو' ترک سنت نہ کرو' ارتکاب معصیت سے بچو۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ سامنے تو کسی کی مرضی کی بات نہ بولو اور اس کے غیاب میں کسی سے اس کی غیبت یا مخالفت کرو' اصلی خیانت یہی ہے' امانت اسی سے ختم ہوتی ہے۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیانت یہی ہے کہ آدمی باہمی خیانت کرے۔ لوگ نبی اکرم ﷺ سے بات سنتے تھے دوسروں سے کہہ دیتے تھے اس کی خبر مشرکین تک پہنچ جاتی تھی۔ اس لئے

---

[1] [مرسل: تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٩٣٧)]

[2] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٩٣٩)] اس کی سند میں یونس طائی راوی ضعیف ہے۔]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الجاسوس (٣٠٠٧) صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل اهل البدر وقصة حاطب بن ابی بلتعه (٢٤٩٤) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الممتحنه (٣٣٠٥) ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی حکم الجاسوس اذا کان مسلم (٢٦٥٠) مسند احمد (٧٩/١)]

حضرت ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان کی بات بہرصورت امانت ہوا کرتی ہے۔ بات کو جہاں سنا ہے وہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ کسی کے سامنے کسی کی بات دہرانا نہیں چاہیے اگرچہ اس نے منع نہ کیا ہو ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ فتنہ سے آزمائش اور امتحان مراد ہے کہ اولاد دے کر آزماتے ہیں کہ تم شکر کرتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں بجالاتے ہو یا نہیں، یا یہ کہ ان کی محبت میں اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہو۔ اگر اس امتحان میں پورے اترو گے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے۔ اور فرمایا کہ شر اور خیر کے ذریعہ ہم تم کو آزمائیں گے۔ اور فرمایا کہ اے مومنو! تمہاری اولاد اور تمہارے اموال اللہ تعالیٰ کی یاد سے تم کو غافل نہ بنادیں اگر ایسا ہو تو تم بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ اور فرمایا کہ تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد دشمن ہیں اس لئے احتیاط کو پیش نظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس کا ثواب اور اس کی جنتیں اس مال اور اولاد سے کہیں بہتر ہیں۔ یہ دشمن کی طرح ضرر رساں ہیں۔ اور اکثر ان میں سے تمہارے لئے فائدہ بخش نہیں بنتے۔ اللہ پاک دنیا اور آخرت کا مالک ہے قیامت میں اس کے پاس ثواب عظیم ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''اے ابن آدم! تو مجھے ڈھونڈھ میں مل جاؤں گا۔ میں تجھے مل گیا تو سمجھ لے کہ سب کچھ مل گیا اور اگر تو نے مجھے کھو دیا تو سب کچھ کھو دیا۔ چاہیے کہ میں تیرے پاس ہر چیز سے زیادہ محبوب رہوں۔''

حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزوں میں زبردست حلاوت ایمان ہے ① اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہونا۔ ② جس سے بھی محبت اور خلوص ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر اور ((للھیت)) کے طور پر ہو، ذاتی غرض شامل نہ ہو۔ ③ آگ میں جھونک دیا جانا بہتر سمجھے بہ نسبت اس کے کہ اسلام کے بعد مرتد ہو جائے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اموال و اولاد پر بھی مقدم سمجھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی قسم ایمان نصیب ہی نہیں اگر اپنی جان و مال و اولاد سے زیادہ مجھے نہ چاہو''۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ○

تقویٰ بخشش کا ذریعہ: اے مومنو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو اللہ تعالیٰ تم کو دین اور دنیا میں نجات دے دے گا۔ ((فرقان)) سے مراد نجات یا مدد یا حق و باطل میں فیصلہ مراد ہے۔ یہ تفسیر ابن اسحاق کی تفسیر، تفسیر ماسبق سے زیادہ عام ہے۔ اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اس کے احکام بجالائے گا اس کی مناہی سے اجتناب کرے گا معرفت حق و باطل کی اسے توفیق ہوگی۔ یہ اس کی نجات و مدد کا سبب ہوگا، اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا اللہ تعالیٰ غفار و ستار بن جائے گا اللہ تعالیٰ سے جزاء عظیم کا حقدار ہوگا جیسا کہ فرمایا ''اے مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم پر دوہری رحمت نازل کرے گا وہ تمہیں ایک نور دے گا کہ اس کی رہنمائی میں چلو

گے وہ تمہیں بخش دے گا وہ بڑا غفور رحیم ہے۔“ [1]

وَاِذۡ یَمۡكُرُ بِكَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡكَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡكَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡكَ ؕ وَیَمۡكُرُوۡنَ وَیَمۡكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰكِرِیۡنَ ۝

اور اس وقعہ کا بھی ذکر کیجئے جب کہ کافر لوگ آپ ﷺ کی نسبت تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کر دیں اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ تعالیٰ ہے ○

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش: اب کافر یہ چال چلنا چاہتے ہیں کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا وطن سے نکال دیں۔ اثبات کے معنی قید اور حبس کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی برا ارادہ رکھتے ہیں۔ کافروں نے جب یہ مشورہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو قید یا قتل کر دیں یا دیس نکالا دیں تو ابو طالب نے بھتیجے سے پوچھا کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ یہ کافر تمہارے ساتھ کیا قصد رکھتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قید یا قتل یا جلاوطنی تو ابو طالب نے پوچھا تمہیں کس نے خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا میرے رب نے خبر دی ہے۔ ابو طالب نے کہا' تمہارا رب بہت اچھا ہے ہمیشہ اس کے خیر طلب رہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس کا خیر طلب کیا رہوں گا' بلکہ وہ میرا خیر طلب رہتا ہے۔ [2] سچ تو یہ ہے کہ ابو طالب کا ذکر اس میں بہت ہی عجیب ہے بلکہ قابل انکار ہے اس لئے کہ یہ آیت مدنی ہے اور یہ واقعہ اور قریش کا اس طرح مشورہ کرنا ہجرت کی رات تھا اور ابو طالب کی موت تو اس سے بھی تین سال پہلے واقع ہو چکی تھی۔ ابو طالب کی موت ہی کے سبب تو کافروں کو اتنی جرات و ہمت بھی ہوئی تھی کیونکہ ابو طالب تو ہمیشہ آپ کی حمایت اور مدد کرتے رہتے تھے۔ اور بھتیجے کی حفاظت میں قریش کا مقابلہ کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرداران قریش کی ایک جماعت نے مجلس شوریٰ بلائی اور آپ کی ضرر رسانی کے درپے ہوئے۔ اس مجلس میں ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں آیا۔ لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا۔ میں اہل نجد کا شیخ ہوں۔ میں نے سنا کہ تم لوگ مجلس شوریٰ کر رہے ہو' میں بھی چلا آیا تا کہ میری نصیحت اور مشورے سے تم محروم نہ رہو۔ لوگوں نے کہا آیئے ضرور آیئے۔ وہ کہنے لگا کہ تم لوگ اس شخص کے بارے میں خوب فکر اور تدبیر سے کام لو ورنہ بہت ممکن ہے کہ وہ تم پر چھا جائے۔ چنانچہ ایک نے رائے دی کہ اسے قید کر دینا چاہیے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں ہلاک ہو جائے جیسا کہ زہیر اور نابغہ شاعروں کو اس سے پہلے قید کر دیا تھا اور وہ وہیں تادم مرگ سڑتے پڑے رہے اور یہ بھی تو ایک شاعر ہی ہے۔ اس پر وہ شیخ نجدی چیخ اٹھا کہ میری تو ہرگز یہ رائے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس کا رب اسے وہاں سے نکال لے جائے گا اور وہ اپنے ساتھیوں میں پہنچ جائے گا۔ پھر وہ حملہ کر کے تم سے سب کچھ چھین لے گا اور تمہارے شہروں سے تم کو نکال باہر کرے گا۔ لوگوں نے کہا شیخ نے سچ کہا

---

[1] [سورۃ الحدید: آیت ۲۸]

[2] **[مرسل و ضعیف:** تفسیر ابن جریر الطبری (۱۵۹۷۸)]

کوئی دوسری تجویز پیش کرو۔ دوسرے نے رائے دی اس کو اپنے ملک ہی سے نکال باہر کرو اور چین پاؤ جب وہ یہاں رہے گا ہی نہیں تو تمہیں اس سے پھر اندیشہ ہی کیا ہے۔ اس کا تعلق تمہارے سوا کسی اور سے رہے گا۔ تمہیں کیا واسطہ۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے کہا' اللہ تعالیٰ کی قسم یہ رائے بھی ٹھیک نہیں' کیا تمہیں اس کی شریں زبان کی خبر نہیں' وہ اپنی باتوں سے سب کا دل موہ لیتا ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ باہر جا کر سارے عرب کو ملا لے گا۔ اس کے سارے حمایتی مل کر حملہ کر بیٹھیں گے اور تمہیں اپنے وطن سے نکال دیں گے تمہارے شرفا قتل ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا شیخ سچ کہتا ہے' کوئی اور رائے پیش کرو۔ تو ابو جہل نے کہا میں ایک مشورہ دیتا ہوں اگر تم سوچو تو اس سے بہتر کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ ہر قبیلہ سے تم ایک ایک نوجوان چن لو جو بہادر اور شریف ہو ہر ایک کے پاس تلوار ہو' سب مل کر اس پر دفعۃً واحدۃً وار کر بیٹھیں جب وہ قتل ہو جائے تو اس کا خون قبائل میں بٹ جائے گا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ بنی ہاشم کا ایک قبیلہ قریش کے سارے قبیلوں سے لڑائی مول لے مجبوراً بنی ہاشم کو اس کے قتل کی دیت قبول کرنی پڑے گی۔ دیت دے دیں گے ہم کو چین مل جائے گا۔ شیخ نجدی نے کہا واللہ یہ رائے ٹھیک رہی' اس سے بہتر کوئی رائے نہیں۔ اس پر اتفاق رائے کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ اب جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت ﷺ سے کہا کہ آج کی رات بستر پر نہ سونا اور کافروں کی سازش کی اطلاع دے دی۔ حضرت ﷺ اس رات اپنے بستر پر نہ سوئے اور اسی وقت ہجرت کا حکم دے دیا۔ مدینے آنے کے بعد اللہ پاک نے آپ ﷺ پر سورہ انفال نازل فرمائی اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ﴿يَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴾ وہ چال چلتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی چال چلے گا' اللہ بڑا مدبر ہے۔ ان کا قول تھا ﴿تَرَبَّصُوا بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ حَتّٰى يُهْلِكَ﴾ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد باری ہے ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ [1] (ترجمہ) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ شاعر ہے ہم اس کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس دن کا نام ہی ((یوم الزحمة)) پڑ گیا۔ کیونکہ اس روز حضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی گئی تھی۔ [2] ان کے انہیں ارادوں کا ذکر آیت ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [3] میں ہے۔

نبی اکرم ﷺ حکم اللہ ہی کے انتظار میں تھے اور جب قریش نے قتل کا ارادہ کر لیا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ علی رضی اللہ عنہ سبز چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ رسول اللہ باہر نکلے لوگ دروازے پر دکھائی دیئے آپ نے ایک مٹھی بھر مٹی لی ان کی طرف پھینکی ان کی آنکھیں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے پھر گئیں آپ ﴿يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ تا ﴿فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ [4] پڑھتے ہوئے نکل گئے۔ [5] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ آپ ﷺ

[1] [سورۃ الطور: آیت ۳۰]
[2] [بیهقی فی دلائل النبوة (۲/۴٦۸، ٤٦۹)]
[3] [سورہ الاسراء: آیت ۷٦]
[4] [سورہ یسین: آیت ۹]
[5] [**معضل وضعیف**: بیهقی فی دلائل النبوة (۲/٤٦۹۔ ٤۷۰)]

نے فرمایا کیوں روتی ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا' کیسے نہ روؤں۔ یہ قریش کے لوگ لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کھا کر وعدہ کئے ہوئے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر حملہ کر کے قتل کر دیں گے اور ہر ایک ان میں سے آپ کے قتل میں حصہ لینا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیٹی وضو کے لئے پانی لاؤ۔ آپ ﷺ نے وضو کیا' کعبۃ اللہ کی طرف چلے۔ قریش نے کہا کہ یہ وہی ہے لیکن ساتھ ہی ان کے سر نیچے کو جھک گئے گردنیں ٹیڑھی ہوگئیں۔ وہ اپنی نگاہیں اٹھا نہ سکے۔ حضرت ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور ان کی طرف پھینکی اور کہا' چہرے بگڑ جائیں۔ جس کو یہ کنکری لگی یوم بدر میں وہ کافر ضرور قتل ہوا۔ (1) غرض حضرت ﷺ ہجرت کر کے غار میں جا پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیا۔ مشرکین حضرت ﷺ کے گھر کی چوکیداری کرتے رہے۔ علی رضی اللہ عنہ کو محمد سمجھتے رہے صبح کے قریب دھاوا بول دیا۔ لیکن گھر میں علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو سارا منصوبہ چوپٹ ہوگیا۔ پوچھنے لگے محمد ﷺ کہاں ہیں؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے کوئی خبر نہیں۔ نقش قدم کے پتے سے چلے۔ پہاڑ کے قریب پہنچے تو اشتباہ ہوگیا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے غار کے سامنے سے گزرے غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بن دیا تھا۔ کہنے لگے اگر غار کے اندر کوئی ہوتا تو اس کے دہانے پر مکڑی کا اتنا بڑا جالا کیسے قائم رہتا۔ آپ ﷺ غار میں تین دن ٹھہرے رہے۔ (2) اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ چال چلتے ہیں تو ہم بھی اپنی چال بتاتے ہیں۔ دیکھو کیسے ان کافروں سے نجات دے دی۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ
مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم ارادہ کریں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ لائیں یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آرہی ہیں ○ اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دیجئے ○ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں ○

---

(1) [**حسن** : مسند احمد (۱/۳۰۳، ۳۶۸) مستدرك حاكم (۱/۱۶۳) صحيح ابن حبان (۶۵۰۲) بيهقی فی دلائل النبوة (۶/۲۴۰)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۲۷۶۲)]

(2) [**ضعيف** : مسند احمد (۳۲۵۱) طبرانی کبير (۱۲۱۵۵) مجمع الزوائد (۱۱۰۲۸)] شیخ البانیؒ نے اسے سلسله ضعيفه [۱۱۲۹] میں ذکر کیا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں عثمان جزری راوی کو اہل علم ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (۳۲۵۱)]

نبی ﷺ اور استغفار کرنے والوں کی موجودگی میں عذاب نہیں: قریش کے کفر و تمرّد کی خبر دی جا رہی ہے کہ قرآن سن کر وہ کیسا دعوائے باطل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے جو یہ قرآن سنا ہے چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ دیں۔ یہ صرف ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور قول بلا فعل ہے۔ چنانچہ اس پر بارہا قرآن میں تحدی کی گئی۔ چیلنج دیا گیا کہ ایسی ایک سورت ہی بنالاؤ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ ایسا کہہ کر وہ خود اپنے نفسوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اور اپنے جھوٹے ہم خیالوں کو بھی دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث تھا۔ یہ بے دین بلاد فارس کی طرف گیا ہوا تھا۔ وہاں کے ایرانی بادشاہوں اور رستم اسفندریار کی تاریخ پڑھا ہوا تھا اور جب واپس ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی بعثت واقع ہو چکی تھی۔ آپ لوگوں کو قرآن سناتے رہتے تھے۔ اور جب حضرت ﷺ مجلس ختم کر دیتے تو یہ کمبخت نضر بیٹھ جاتا اور یہ ایرانی بادشاہوں کی تاریخ بیان کر کے کہتا' بتاؤ کس نے اچھی قصہ خوانی کی ہے' میں نے یا محمد ﷺ نے؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے یوم بدر میں مسلمانوں کو کامیابی بخشی اور بعض مشرکین مکہ گرفتار ہوئے تو حضرت ﷺ نے اس کو بھی گردن زدنی قرار دیا اور اس کی بھی گردن اڑا دی گئی۔ مقداد رضی اللہ عنہ بن اسود نے اس کو قید کیا ہوا تھا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے بدر کے روز تین قیدیوں کے قتل کا حکم دیا تھا عقبہ بن ابی معیط۔ طعیمہ بن عدی۔ نضر بن حارث۔ نضر مقداد رضی اللہ عنہ کا قیدی تھا۔ حضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو میرا قیدی ہے مجھے ملنا چاہیے' تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے کتاب اللہ کا منہ چڑھایا ہے' چنانچہ قتل کا حکم ہو گیا۔ مقداد رضی اللہ عنہ نے اپنے اسیر کی طرف پھر حضرت ﷺ کو توجہ دلائی تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی کہ یا اللہ! تو اپنے فضل سے مقداد رضی اللہ عنہ کو بہت کچھ دے۔ تو مقداد کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اصرار کے ساتھ مطالبہ سے میری یہی عرض تھی کہ آپ سے دعا کرا لوں۔ اسی نضر کے بارے میں یہ آیت اتری (1) ﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا﴾ الخ' سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے طعیمہ کے بجائے معطم بن عدی کا نام کہا ہے اور یہ بات غلط ہے اس لئے کہ معطم بن عدی تو بدر کے روز زندہ ہی نہیں تھا۔ اس لئے اس روز حضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آج معطم بن عدی زندہ ہوتا اور ان مقتولین میں سے کسی کا سوال کرتا تو میں اس کو یہ قیدی دے دیتا۔ (2) آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا کہ اس نے حضرت ﷺ کو اس وقت بچایا تھا جب کہ آپ طائف کے ظالموں سے پیچھا چھڑا کر مکے واپس ہو رہے تھے۔

((اساطیر)) اسطورہ کی جمع ہے یعنی وہ کتابیں اور اقتباسات جو سیکھ کر لوگوں کو سنائے جاتے ہیں اور یہ محض افسانے ہوتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا

---

(1) [تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٩٩٣)]

(2) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس: باب ما من النبی علی الاساری من غیر أن یخمس (٣١٣٩) ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی المن علی الاسیر بغیر فدا (٢٦٨٩) مسند احمد (٤/٨٠)]

﴿ رَّحِيۡـمًا ﴾ [1] کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو متقدمین کے جھوٹے افسانے ہیں جنہیں لکھ لیا گیا اور شب و روز سنایا جاتا رہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس سے درگزر فرما کر اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ وہ آسمان و زمین کے بھیدوں کو جانتا ہے اور یہ قرآن اسی کی طرف سے ہے۔ کافر کہتے ہیں کہ ''اے اللہ تعالیٰ اگر یہ قرآن حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا یا عذاب الیم ہمیں دے''۔ یہ دعا ان کے کمال جہل و نادانی و سرکشی و عناد کے سبب سے ہے اسی بیوقوفی میں وہ بدنام ہیں۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ دعا یوں مانگتے کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے ہے تو ہمیں اس کے اتباع کی توفیق عنایت فرما لیکن انہوں نے تو اپنی جان پر عذاب مول لے لیا اور سزا کے لئے جلدی کرنے لگے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ ارے عذاب کا اگر ایک دن مقرر نہ ہوتا تو عذاب انہیں فوراً ہی آ پکڑتا کہ انہیں خبر تک نہ ہوتی''۔ [2] وہ کہتے ہیں کہ ﴿ قَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا ﴾ [3] الخ' اور ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌ الخ ﴾ [4] گزشتہ امتوں کے جاہلوں نے بھی تو ایسا ہی کہا تھا ''شعیب کی قوم کہتی ہے کہ اے شعیب! اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان گرا دو۔ یا یہ کہ اے اللہ تعالیٰ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے سنگ باری کر''۔ ابو جہل بن ہشام نے یہی کہا تھا کہ ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴾ کہ اگر یہ سچا قرآن ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر کیوں نہیں برسا دیتے۔ تو یہ آیت اتری ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ ﴾ یعنی جب تک تم ان کے درمیان ہو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا۔ [5] یا جب تک وہ استغفار کرتے ہیں اور فرمایا ﴿ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى ﴾ [6] الخ' یعنی تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آؤ گے۔ جیسا کہ پہلی دفعہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس مضمون کی دس آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ [7] بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں گھوڑے پر سوار ٹھہرا ہوا دیکھا اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو مجھے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے (یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایمان نہیں لائے تھے)۔ اس امت کے جاہلوں کا بھی ایسا ہی قول تھا۔ [8] اللہ پاک اپنی آیت کو پھر دہراتا ہے اور ان پر اپنی رحمت کا ذکر فرماتا ہے کہ جب تک وہ استغفار کرتے ہیں اور تمہاری موجودگی ان کے اندر ہے ہم ان پر عذاب آسمانی نازل نہ کریں گے۔ مشرکین بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے ﴿ لَبَّيۡكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيۡكَ لَبَّيۡكَ لَا شَرِيۡكَ لَكَ لَبَّيۡكَ ﴾ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بس بس یہیں تک بولو آگے نہ بڑھو لیکن کفار ساتھ ہی یہ بولتے ﴿ اِلَّا شَرِيۡكًا هُوَ لَكَ تَمۡلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ ﴾ لیکن تیرا

---

[1] [سورہ الفرقان: آیت ٥-٦]
[2] [سورہ العنکبوت: ٥٣]
[3] [سورہ ص: ١٦]
[4] [المعارج: ١-٣]
[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر (٤٦٤٨)]
[6] [سورہ الانعام: آیت ٩٤]
[7] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٢٣١)]
[8] [تفسیر ابن جریر الطبری (٦/٢٣١)]

ایک شریک بھی ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے املاک کا بھی مالک ہے اور پھر ساتھ ہی کہتے ﴿غُفْرَانَكَ﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ تم جب تک ان میں ہو وہ عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کو دو امانیں حاصل تھیں ایک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود دوسرے ان کا بعد از شرک استغفار۔ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ کے بعد صرف ان کا استغفار سبب معافی رہ گیا۔ (1) قریش آپس میں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے درمیان بزرگ بنایا ہے۔ دن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ جو گستاخی کرتے' رات کو نادم ہو کر کہتے ﴿غُفْرَانَكَ اللّٰهُمَّ﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ﴾ والی آیت اتاری۔ یعنی انبیاء علیہم السلام جب تک بستی سے نکل نہیں جاتے قوم پر عذاب نہیں آیا کرتا۔ ان میں سے بعض وہ لوگ بھی تھے جو پہلے ہی سے ایمان حاصل کر چکے تھے۔ وہ استغفار کرتے نمازیں پڑھتے یہ مسلمان تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے بعد بھی مکے میں رہ گئے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے کی بستی کو چھوڑ کر چلے جانے کے باوجود اہل مکہ پر اس لئے عذاب نہیں آیا کہ یہ مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ یہ اہل مکہ وقوع عذاب سے بچ گئے کیونکہ یہ اچھے لوگ ابھی ان میں باقی تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی قیامت تک استغفار لوگوں کو عذاب سے بچاتا رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''شیطان نے کہا اے اللہ تعالیٰ تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روحیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے' میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا۔ (2)

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا
اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ
صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے

---

(1) [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورۃ الانفال (۳۰۸۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ترمذی (۵۹۷) السلسلة الضعیفة (۱۶۹۰) ضعیف الجامع الصغیر (۱۳۴۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ اس کی سند میں اسماعیل بن مہاجر راوی ضعیف اور عباد بن یوسف راوی مجہول ہے۔]

(2) [صحیح : مسند احمد (۶/ ۲۰) مستدرك حاکم (۴/ ۲۶۱) مسند ابو یعلی (۱۳۹۹) بغوی فی شرح السنة (۱۲۳۹) بیهقی فی الاسماء والصفات (ص : ۱۳۳-۱۳۴)] امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[السلسلة الصحیحة (۱۰۴)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (۱۱۲۳۷)]

متولی نہیں۔ اس کے متولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں لیکن ان میں اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ○ اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا سو اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب ○

مسجد حرام کے متولی مشرک نہیں: یہ لائق عذاب تو تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی برکت سے عذاب سے بچ گئے۔ اسی لئے جب آپ نے مکہ کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بروز بدر ان پر عذاب واقع فرمایا۔ ان کے سردار قتل کر دیئے گئے۔ بڑے بڑے لوگ قیدی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں استغفار کی ہدایت فرمائی لیکن یہ اس کے ساتھ شرک وفساد کو بھی ملا دیتے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ اور سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ مقتولین قریش استغفار نہیں کرتے تھے' اگر کرتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بدر میں ذلت کی موت نہ دیتا[1] اور اگر خود مکہ میں یہ کمزور مسلمان استغفار کرتے نہ ہوتے تو اہل مکہ پر ایسی مصیبت آ پڑتی کہ ہٹائے نہ ہٹتی۔ استغفار کی برکت ہی نے مکہ میں عذاب نازل ہونے سے قریش کو بچایا اور مسلمانان مکہ کی وجہ سے وہ ایک عرصہ تک عذاب سے محفوظ رہے۔ یوم حدیبیہ میں اللہ پاک نے فرمایا تھا ﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ﴾[2] (سورہ الفتح) یعنی ان لوگوں نے کفر کیا۔ بیت اللہ میں آنے سے تمہیں روک دیا۔ قربانی کے جانوروں کو ذبح تک نہیں پہنچنے دیا اگر مکہ میں یہ مومن مرد اور عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہیں تھے کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی وجہ سے بے خبری میں مضرت پہنچ جاتی' یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر یہ لوگ یہاں پناہ گزیں نہ ہوتے تو کب کا ان پر عذاب الٰہی اتر چکا ہوتا۔ نبی اکرم ﷺ مکے میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمہارے ہوتے ان پر عذاب نہ کروں گا اور جب کہ حضرت ﷺ مدینے کی طرف چلے گئے تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ تمہارے جانشین ابھی مکہ میں ہیں اور استغفار کرتے ہیں اس لئے ابھی عذاب نہ دوں گا اور جب مسلمان بھی مکے سے نکل گئے تو فرمایا ہے کہ اب کیوں نہ عذاب دیا جائے۔ انہوں نے تم مسلمانوں کو کعبۃ اللہ آنے سے روکا' وہ اللہ تعالیٰ کے دوست تو تھے نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکے کا عذاب ان پر نازل کیا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ﴾ کی ناسخ ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ((انفال)) میں ﴿مَا كَانَ﴾ والی آیت کو اس کے بعد والی ﴿مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ فرمایا گیا۔ چنانچہ اہل مکہ سے جنگ ہوئی اور وہ بھوک اور مضرت کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو عذاب سے مستثنیٰ بھی کیا ہے' پھر یہ بھی فرمایا کہ انہیں کیوں عذاب نہ کرے کہ مسجد حرام سے وہ مسلمانوں کو روکتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے اولیا وہ نہیں بلکہ متقی لوگ ہیں۔ لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔ حالانکہ یہی روکے جانے والے لوگ کعبۃ اللہ کے اہل ہیں کہ اس میں نماز پڑھیں طواف کریں اور یہ کفار مسجد الحرام کے اہل نہیں ہیں۔ جیسا کہ فرمایا مشرکین کو کیا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسجد کو آباد رکھیں حالانکہ کفر ان کے دلوں میں جاگزیں ہے۔ ان کے تو

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۶/۲۳۵)]

[2] [سورۃ الفتح : ۲۵]

سارے اعمال سلب ہیں اور دوزخ کا ایندھن ہیں۔ مساجد کو تو وہ آباد رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھیں، نماز پڑھیں، زکوۃ دیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ہدایت یافتہ لوگ یقیناً یہی ہیں۔ (۱) اور فرمایا ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (۲) اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور مکے کے مسلمانوں کو مکے سے نکال دینا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ حضرت ﷺ سے پوچھا گیا آپ کے اولیاء کون لوگ ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا متقی لوگ۔ پھر حضرت ﷺ نے تلاوت فرمائی ﴿اِنْ اَوْلِيَاؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (۳) حضرت ﷺ نے قریش کو جمع کیا اور پوچھا کیا کوئی غیر قریش بھی تم میں ہیں۔ تو لوگوں نے کہا، صرف ہمارے بھانجے ہمارے حلیف، ہمارے غلام تو آپ ﷺ نے فرمایا، حلیف، بھانجے اور غلام سب ایک ہی قبیلہ کے ہوتے ہیں یہ سب اولیاء ہیں لیکن میرے اولیاء متقی لوگ ہیں۔ (۴) مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان سے مجاہد مراد ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔ پھر اس بات کا ذکر ہے کہ مسجد حرام میں یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی عبادت بس یہی تھی کہ کعبے میں آ کر بھی یہ جانوروں کی سی سیٹیاں بجاتے اور تالیاں بجاتے، ننگے ہو کر طواف کرتے، منہ میں انگلیاں رکھ کر سیٹی کی آواز نکالتے رخسار جھکاتے۔ تالی بجاتے، بس اسی کو عبادت سمجھتے۔ بائیں طرف سے طواف کرتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ مسلمانوں کی عبادت میں حرج پیدا کریں، اس طرح یہ لوگ مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں، عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ تصدیہ کے معنی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکنا۔ فرماتا ہے کہ اب اپنے کفر کا مزہ چکھو یعنی یہ عذاب کہ یوم بدر میں قتل بھی ہوئے قید بھی ہوئے۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل اقرار پر عذاب سیف کے ذریعہ آتا ہے اور اہل تکذیب پر چیخ اور زلزلے کے طور پر آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝ؗ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰي بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ؒ

بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ

---

(۱) [سورة التوبه: ۱۸] (۲) [سورة البقرة: ۲۱۷]

(۳) [ضعیف: طبرانی صغیر (۳۱۸)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں نوح بن ابی مریم راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۷۹٤٦)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعيفة (۱۳۰٤)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

(٤) [حسن: مسند احمد (٤/۳٤۰) مستدرك حاكم (۲/۳۲۸) طبراني كبير (٤٥٤٤) بزار (۲۷۸۰)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۱٦۸۸) الادب المفرد بتحقيق الالباني (۷٥)]

کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا○ تا کہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے یعنی ان سب کو متصل کر دے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔ ایسے لوگ پورے خسارے میں ہیں○

شکست زدہ کفار کی ناکام تدبیریں: قریش پر جنگ بدر میں جب مصیبت پہنچی اور یہ لوگ مکہ واپس ہوئے اور ابو سفیان بھی قافلہ لے کر لوٹے تو عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور قریش کے کئی آدمی جن کے باپ بیٹے بھائی جنگ میں کام آئے تھے ابوسفیان سے اور ان سے جن کا مال تجارت اس قافلہ میں تھا کہنے لگے کہ اے معشر قریش محمد ﷺ تمہیں نیچا دکھا چکے ہیں۔ تمہارے شرفاء کو قتل کر دیا ہے، ان سے دوبارہ لڑنے کے لئے اس قافلہ کا مال تم دے دو تا کہ ان سے اپنا انتقام لیں۔ چنانچہ انہوں نے سب مال دے دیا۔ اسی بارے میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ﴾ یعنی کافر اپنا مال خرچ کر رہے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ روک دیں اور وہ روپیہ خرچ کریں گے اور یہی مال ضائع ہو جائے گا تو پھر حسرت بھی اٹھائیں گے ہم انہیں دوبارہ مغلوب کر دیں گے، اور وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان اور نفقہ اموال کے بارے میں نہیں، بلکہ یہ آیت اہل بدر کے بارے میں اتری ہے۔ بہر تقدیر یہ آیت عام ہے چاہے کسی بارے میں اتری ہو اور اگرچہ سبب نزول خاص ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اتباع طریق حق سے روکنے کے لئے کفار روپیہ پیسہ خوب خرچ کر رہے ہیں لیکن ان کے یہ اموال ضائع جائیں گے انہیں حسرت وندامت لاحق ہوگی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل کرنا چاہتا ہے خواہ یہ کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا ناصر اپنے کلمہ کو غالب کرنے والا بنے گا۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہوگی اور آخرت میں عذاب دوزخ ہوگا۔ جو زندہ بچا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا کہ کیسی رسوائی سے آخر کار انہیں سابقہ پڑا اور جو مر گیا وہ ابدی رسوائی اور سرمدی عذاب سے دوچار ہو گیا۔ قولہ تعالیٰ ﴿لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اہل سعادت کا امتیاز اہل شقاوت سے ہے کہ مومن کافر سے ممتاز ہو جائے اور یہ بھی محتمل ہے کہ امتیاز سے مراد آخرت کا امتیاز ہو۔ جیسا کہ فرمایا کہ ''ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرے رہو ہم ان کے درمیان فرق کر دیں گے''۔ (۱) اور فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو وہ الگ الگ ہو جائیں گے۔ (۲) اور فرمایا کہ اے مشرکو! اور گناہگارو! آج مومنوں سے الگ تھلگ ہو جاؤ'' (۳) اور اس مطلب کا بھی احتمال ہے کہ اس سے دنیا میں ہی امتیاز مقصود ہو کہ مومنین کے اعمال جدا اور کافروں کے جدا۔ اور ((لیمیز)) کا لام سببیہ ہو سکتا ہے یعنی گناہ کے طور پر مال خرچ کرنے کے سبب خبیث کو طیب سے اللہ تعالیٰ نے جدا کر دیا۔ یعنی یہ امتیاز کرنے کے لئے کافروں سے لڑنے کے لئے کون اطاعت کرتا ہے اور کون روگردانی کر کے معصیت کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ''دونوں لشکروں کے تصادم کے

---

(۱) [سورۃ یونس: ۲۸] (۲) [سورۃ الروم: ۱۴] (۳) [سورۃ یسین: ۵۹]

وقت جو کچھ تمہیں پہنچا' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا تا کہ مومنوں اور کافروں میں تمیز ہو جائے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جارحانہ یا مدافعانہ تو کہتے ہیں کہ اگر اصول جنگ سے ہم واقف ہوتے تو ضرور لڑتے''۔ (۱) اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ آخر مومنین کو بھی ان کی موجودہ حالت پر کیوں چھوڑے وہ تو امتحان کر کے پرکھنا چاہتا ہے کہ اچھا کون ہے اور برا کون۔ اور امر غیب پر وہ تم کو آگاہ بھی کیوں کرے''۔ (۲) اور فرمایا ''کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ مجاہدین کے صبر کا اللہ تعالیٰ نے ابھی امتحان نہیں لیا''۔ (۳) اس کی نظیر سورہ براءۃ میں بھی ہے۔ چنانچہ معنی یہ ہوئے کہ ہم کفار سے بھڑا کر تمہیں آزمائیں گے وہ تم سے قتال کریں گے تمہارے خلاف اموال صرف کریں گے۔ یہ صرف اس امتیاز کے لئے کہ خبیث کون ہے اور طیب کون ہے ((رکم)) کہتے ہیں کہ ایک پر ایک شئی کو جمع کرتے جانا' جیسا کہ ابر کے بارے میں فرمایا کہ ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا﴾ (۴) یعنی تہہ بہ تہہ بادل ﴿فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ پھر وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور بڑے خسارے میں رہیں گے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ باز آ جائیں گے تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو کفار سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے ○ اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر یہ باز آ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں ○ اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے ○

فتنہ کے خاتمے تک جہاد: رسول ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے کہ ان کافروں سے کہہ دو کہ اگر تم کفر و عناد سے باز رہے اور اسلام میں داخل ہو کر طالب مغفرت ہوئے تو زمانہ کفر میں جو کچھ گناہ کیا تھا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ جیسا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو اسلام میں آ کر نیکوکار رہا تو اس کے جاہلیت کے گناہوں سے بھی مواخذہ نہ ہوگا اور جو اسلام میں آنے کے بعد بھی برا رہا تو اس سے ہر دو زمانوں کے اعمال کے متعلق پرسش ہو سکے گی۔ (۵) حضرت ﷺ

---

(۱) [آل عمران: ۱٦٦] (۲) [آل عمران: ۱۷۹]

(۳) [آل عمران: آیت ۱٤۲] (۴) [سورۃ النور: آیت ٤۳]

(۵) [صحیح] صحیح بخاری: کتاب استتابة المرتدين: باب اثم من اشرك بالله (٦٩٢١) صحيح مسلم: كتاب الايمان: باب هل يواخذ باعمال الجاهلية (١٢٠) ابن ماجه: كتاب الزهد: باب ذكر الذنوب (٤٢٤٢) مسند احمد (١/٤٠٩)]

نے فرمایا کہ اسلام ماقبل کے گناہوں کے لئے توبہ ہے۔ اور توبہ بھی تو اپنے سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ (۱) لیکن اے نبی اکرم ﷺ! اگر یہ اپنی سابقہ چال پر قائم رہے عناد نہ چھوڑا تو کیا وہ نہیں جانتے کہ پہلے کے لوگوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ عناد اور تکذیب کا سابقہ امتوں نے کیا نتیجہ دیکھا تھا۔ یاد رکھو عذاب وعقوبت ہی اس کا علاج ہوگا۔ سنت الاولین سے مجاہد رحمہ اللہ اور سدی رحمہ اللہ یوم بدر مراد لیتے ہیں۔ اور فرمایا ''ان سے خوب قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ دب جائے شرک مٹ جائے اور دین اللہ تعالیٰ کا ہو''۔

ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا' اے ابوعبدالرحمٰن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اگر مومنین کی دو جماعتیں باہم قتال کریں'' (۲) تو تم قتال میں کیوں شریک نہیں ہوتے۔ جب کہ ایسی دو جماعتوں کا قرآن میں ذکر ہے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے بھتیجے شریک جنگ نہ ہونے کا طعن مجھ پر آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی مومن کو عمداً قتل کروں۔ (۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان سے قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ ہی باقی نہ رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عہد رسول اللہ ﷺ میں ہماری یہی کیفیت تھی۔ اسلام میں بہت کم افراد تھے۔ آدمی کی دین کے بارے میں آزمائش ہوتی تھی لوگ یا تو قتل کر دیئے جاتے تھے یا قید وبند کی مصیبت میں مبتلا ہوتے تھے اور جب اسلام نے ترقی پالی تو اب یہ فتنہ باقی نہ رہا۔ غرض یہ کہ اس معترض شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اپنے موافق بات دیکھی ہی نہیں تو بات کا رخ پھیر کر کہنے لگا کہ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ بخش دیا اور تم عثمان رضی اللہ عنہ کی مغفرت کو ناپسند کرتے ہو۔ اور علی رضی اللہ عنہ یہ تو رسول اللہ کے عم زادے ہیں اور داماد ہیں اور وہ دیکھو وہاں نبی اکرم ﷺ کی بیٹی اور علی رضی اللہ عنہما کی بیوی رہتی ہیں۔ (۴)

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آئے اور ہم نے کہا قتال فتنہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور فتنہ کس کو کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ مشرکین سے قتال کرتے تھے اور اس وقت فتنہ در آیا ہوا تھا۔ اور تمہارا قتال تو ملک اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ (۵) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنے سے متعلق دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا تم جانتے ہو جو کچھ لوگوں کا عمل رہا۔ تم عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہو اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو۔ اس فتنہ سے تم کو کس بات نے روکا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون مسلمان پر حرام کر دیا ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے نہیں فرمایا ہے کہ فتنہ دب جانے کے لئے قتال کرو تا کہ دین خالص اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ تو کہا' ہم نے تو فتنہ دبانے کے لئے بہت کچھ قتال کیا ہے حتیٰ کہ فتنہ نہ رہا۔ اور

---

(۱) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ (۱۲۱) مسند احمد (۴/۲۰۵) طبرانی کبیر (۱۸/۶۰۵)]

(۲) [سورۃ الحجرات: آیت ۹] (۳) [سورۃ النسآء: آیت ۹۳]

(۴) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر (۴۶۵۰)]

(۵) [صحیح: صحیح بخاری (۴۶۵۱)]

تم مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس لئے قتال کرانا چاہتے ہو کہ فتنہ اور کھڑا ہو جائے اور دین اللہ تعالیٰ کی بجائے غیر اللہ کا ہو جائے۔ [1] اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں تو ایسے آدمی کو کبھی قتل نہ کروں گا جو ﴿لَآ اِلٰـــهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ کہہ چکا ہو تو سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کہا۔ تو اس آدمی نے ﴿قَاتِلُوْهُمْ﴾ والی آیت پڑھی۔ تو ان دونوں نے کہا کہ فتنہ کو دبانے والا ایسا قتال ہم نے کیا ہے اور فتنہ دب گیا ہے اور دین خالص اللہ تعالیٰ کا ہو گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فتنہ دب جانے سے شرک کا دب جانا مراد لیتے ہیں۔ ﴿یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ سے مراد خالص توحید ہے جس میں شرک کا لگاؤ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اقتدار میں کسی کو شریک نہ بنایا گیا ہو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دین اسلام ہوتے ہوئے کفر باقی نہ رہے۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں کافروں سے قتال کرنے پر مامور ہوا ہوں حتی کہ ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ کے قائل ہو جائیں۔ اگر وہ قائل ہو گئے تو ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے ہاں کسی وجہ سے قصاص وغیرہ میں قتل کئے جا سکتے ہیں اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ [2] نبی اکرم ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اظہار شجاعت میں قتال کیا ہو یا قوم و خاندان کی حمایت یا شہرت و نمود کی خاطر، اس میں کونسا قتال فی سبیل اللہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صرف وہ قتال جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر فی سبیل اللہ عمل میں آیا ہو۔ [3]

قولہ ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ یعنی اگر کفر کے ساتھ تمہارے قتال سے وہ باز رہے تو تم بھی ان سے ہاتھ روک لو اس لئے کہ تمہیں ان کے دل کا حال کیا معلوم؟ جو کچھ ان کے دل کا حال ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ان کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ''اگر انہوں نے توبہ کر لی اور نماز پڑھتے رہے اور زکوۃ دیتے رہے تو پھر ان سے پرسش مناسب نہیں''۔ [4] دوسری جگہ ہے کہ ﴿فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ﴾ [5] وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور فرمایا کہ فتنہ دبنے تک ان سے لڑتے رہو تا کہ اللہ تعالیٰ ہی کا مذہب رائج ہو جائے۔ الزام صرف حد سے تجاوز کرنے والوں پر ہے۔ (البقرہ/۱۹۳) کہتے ہیں کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر تلوار اٹھائی اس نے کہا ﴿لا الـــه الا الله﴾ لیکن

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٥١٣)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الزکاۃ : باب وجوب الزکاۃ (١٣٩٩) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا الله (٢٠، ٢٢)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا (٢٨١٠) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا (١٩٠٤) ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا (٢٥١٧) ترمذی : کتاب فضائل الجهاد : باب ما جآء فیمن یقاتل ریاء وللدنیا (١٦٤٦) نسائی : کتاب الجهاد : باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا (٣١٣٦) ابن ماجه : کتاب الجهاد : باب النیة فی القتال (٢٧٨٣) مسند احمد (٣٩٢/٣)]

[4] [سورۃ التوبہ: آیت ٥-١]

[5] [سورۃ التوبة: آیت ١١]

اسامہ رضی اللہ عنہ نے تلوار ماردی اور قتل کردیا۔ نبی اکرم ﷺ کو خبر پہنچی تو فرمایا ﴿لا الـہ الا اللہ﴾ کے بعد بھی تم نے اس کو قتل کردیا اب تم قیامت کے روز ﴿لا الـــہ الا اللہ﴾ کے ساتھ کیا کرو گے؟ تو اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے تو صرف اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا۔ تو فرمایا کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا۔ پھر آپ ﷺ بار بار یہی فرماتے رہے کہ اب قیامت کے روز کیا کرو گے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج تک مسلمان نہ ہوا ہوتا تا کہ اسلام کے زعم میں اس کو قتل نہ کردیتا۔ [1]

اور اگر انہوں نے پیٹھ پھیر لی تو جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے، وہ بڑا اچھا مولیٰ ہے اور بڑا اچھا مددگار ہے اور اگر ان کی عادت تمہارے خلاف اور تمہاری محاربت پر قائم رہی تو اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ اور تمہارا ناصر رہے۔ عبدالملک بن مروان نے عروہ کو لکھا اور چند باتیں دریافت کیں۔ تو عروہ نے یوں جواب لکھ بھیجا، سلام علیک! میں اللہ تعالیٰ واحد کی حمد کرتا ہوں اور پھر میں تمہیں لکھتا ہوں کہ تم نے مجھ سے نبی اکرم ﷺ کے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کے واقعات پوچھے ہیں۔ تمہیں بتاؤں گا قوت وطاقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو نبوت عطا فرمائی وہ کیسے اچھے نبی کیسے اچھے سید تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے جنت میں ہمیں ان کا چہرہ دکھائے انہیں کے دین وملت پر زندہ رکھے اور انہیں کے دین پر مارے اور انہیں کے ساتھ زندہ اٹھائے (آمین)۔ آپ نے جب ہدایت اور نور کی طرف قوم کو بلایا تو لوگوں نے آپ ﷺ کی تبلیغ کو کچھ ایسی اہمیت نہیں دی۔ حضرت ﷺ کی وحی کو سن بھی لیتے تھے اور جب آپ ﷺ نے ان کے بتوں کا ذکر شروع کیا اور مالدار قریش کے لوگ طائف سے مکے آئے تو ان میں سے اکثر کو یہ تبلیغ بہت ناگوار گزری، آپ ﷺ کی تبلیغ سے بیزار ہوئے جو کوئی مسلمان ہو بھی جاتا تو اس کو بہکانے لگتے۔ چنانچہ مائل ہونے والے عامۃ الناس بھی بے رغبت ہو گئے۔ مگر چند لوگ اپنے مستقل ارادے پر قائم رہے۔ اسلام کی طرف سے ان کے خیالات پراگندہ نہیں ہوئے۔ اب قریش کے سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ اسلام قبول کرنے والوں پر سختی کریں۔ یہ فتنہ ایک زبردست زلزلہ تھا جو اس فتنہ میں پھنس گیا سو پھنس گیا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا تو محفوظ رہا۔ جب مسلمانوں پر یہ قریش بہت ظلم توڑنے لگے تو حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ ارض حبش کی طرف ہجرت کر جائیں، حبش کا بادشاہ ایک مرد صالح تھا جس کا نام نجاشی تھا وہ ظالم بادشاہ نہیں تھا چاروں طرف اس کی تعریف ہوتی تھی۔ سرزمین حبش قریش کی تجارت گاہ تھی اور تجار قریش کے وہاں مکانات تھے جہاں وہ تجارت کر کے بہت رزق پیدا کرتے تھے امن حاصل کرتے تھے اور تجارت خوب چمکی ہوئی تھی۔ حضرت ﷺ نے حکم دیا تو عام مسلمان جن پر مکہ والے زیادہ ظلم توڑ رہے تھے، حبش کی طرف چلے گئے کیونکہ ان کو اپنی جان کا خوف تھا۔ وہ وہاں ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھہرے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب بعث النبی اسامہ بن زید (٤٢٦٩) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب تحریم قتل الکافر (٩٦) ابوداؤد : کتاب الجہاد : باب علی ما یقاتل المشرکون (٢٦٤٣) مسند احمد (٣٠٠/٥)]

صرف چند سال رہے۔ وہاں بھی مسلمانوں نے اسلام پھیلایا وہاں کے شرفاء بھی اسلام لائے۔ جب کفار قریش نے یہ رنگ دیکھا کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے وہ حبش چلے جاتے ہیں اور وہاں کے لوگوں اور سرداروں کو اپنا بنا لیتے ہیں تو اب انہوں نے مصلحت یہی سمجھی۔ کہ نرم برتاؤ اختیار کریں۔ چنانچہ وہ نبی ﷺ اور اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے لگے چنانچہ پہلی آزمائش مسلمانوں کی تھی جس نے مسلمانوں کو حبش کی طرف بھیجا چنانچہ جب نرمی پیدا ہوگئی اور فتنہ جس کے زلزلوں نے مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم کو وطن چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور کیا تھا اس کے کچھ دب جانے کی خبروں نے مہاجرین حبشہ کو پھر آمادہ کیا کہ وہ مکے واپس چلے آئیں۔ چنانچہ وہ تھوڑے بہت بھی جو گئے تھے واپس آ گئے۔ اسی اثنا میں مدینہ کے انصار مسلمان ہوگئے اور مدینہ میں بھی اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔ ان اہل مدینہ کا مکے آنا جانا شروع ہوا اس سے مکے والے اور بگڑے' مشورہ کیا کہ اب تو ان پر اور سختی کرنا چاہیے۔ چنانچہ عام طور پر مسلمانوں پر مظالم توڑنے لگے مسلمان بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہوگئے۔ یہ مسلمانوں کے لئے دوسرا فتنہ اور دوسری آزمائش تھی۔ ایک فتنہ تو یہ کہ حبش کی طرف مسلمانوں کو بھاگنا پڑا اور دوسرا فتنہ وہاں سے مسلمانوں کے واپس آنے کے بعد جب کہ اہل مکہ نے دیکھا کہ مدینے سے لوگ آتے جا رہے ہیں اور مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بار مدینے سے ستر آدمی آئے جو معتبر اور سردار لوگ تھے اور یہ سب مسلمان ہو گئے' حج کیا اور مقام عقبہ حضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم آپ کے ہو رہتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے ہو رہیں گے۔ اگر آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ اجمعین ہمارے شہر آئیں یا آپ تشریف لائیں تو ہم آپ ﷺ کی اور اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایسی حمایت کریں گے جیسے کہ اپنی اور اپنے لوگوں کی کرتے ہیں۔ قریش نے اس معاہدہ کو سن کر مزید سختی برتنی شروع کر دی۔ اب حضرت ﷺ نے اصحاب کو حکم دے دیا کہ مدینے کی طرف ہجرت کر جائیں' یہ دوسرا فتنہ تھا جس نے نبی اکرم ﷺ کو اور اصحاب کو مکے سے نکالا۔ (1) اسی چیز کو اللہ پاک نے قرآن میں ظاہر فرمایا ہے کہ ان کافروں سے قتال کرو حتیٰ کہ یہ فتنے ختم ہو جائیں اور دین الٰہی کا ہی سکہ چلے۔ عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ یہ خط عروہ نے عبدالملک بن مروان کو لکھا تھا۔ واللہ اعلم۔ الحمد للہ نواں پارہ ختم ہوا۔



---

(1) [مرسل: تفسیر ابن جریر الطبری (١٦٠٩٧)]